

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ

…صوبہ بہار کے ادبی کارناموں کی تاریخی سرگذشت

المعروف بہ

تاریخ شعرائے بہار

جلد اول

(سنہ ۱۱۵۰ھ سے سنہ ۱۳۰۰ھ تک)

جس میں

…اردو شاعری کی تاریخ" بیان کرنے کے بعد عظیم آباد و صوبہ بہار کے تین سو…

…ین کا تذکرہ اور ان کے ادبی کارناموں کی فہرست مع نمونہ کلام تین…

…علیحدہ دوروں میں بالتفصیل مذکور ہے۔

مؤلفہ

…بدر عزیز الدین احمد بلخی المتخلص بہ راز عظیم آبادی مصنف کتاب "انسان کی پرواز" وغیرہ بخشی محلہ پٹنہ سیٹی

باہتمام مولوی عطاء الرحمٰن صاحب مینیجر
دی قومی پریس لمیٹڈ، بانکی پور پٹنہ میں چھپا

تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام	صفحہ
بیتاب	سید کلب علی	۶۷	فرد	شاہ محمد ابوالحسن	۷۷	آشنا	مولوی عبدالکریم	۸۴
بیقرار	خواجہ کاظم خاں	دو	فرقتی	سید علی بخش	دو	اصدقی	میر جان علی	۸۵
تمنا	مرزا علی رضا	دو	فیض	نواب جعفر حسن خاں	۷۸	اصغر	سید محمد اصغر بلگرامی	دو
تنہا	شاہ محمد علی	دو	فصیح	امیر اللہ	دو	آصف	سید آصف حسین	دو
ثابت	اصالت خاں	دو	کشتہ	مرزا محمد علی	دو	اظہر	اظہر علی خاں	دو
ثروت	مفتی غلام مخدوم	دو	لطف	مرزا علی	۷۹	اکبر	سید محمد اکبر بلگرامی	دو
ثنا	میر شمس الدین	دو	مجنون		۸۰	اکرام	سید اکرام الدین	۸۶
جمال	شاہ جمال حسین	۶۸	مخزون	میر ناصر جان	دو	الفت	لالہ اننت رام	دو
جنون	شاہ غلام مرتضیٰ	دو	محزون	حکیم ابوالحسن	دو	آگہی	الٰہی بخش	دو
حسن	سید شاہ غلام حسن	دو	محسن	خواجہ محمد محسن	دو	امام	سید امام الدین	دو
حکیم	حکیم احمد حسین	دو	منشا	مرزا احمد	دو	امیر	سید امیر احمد بلگرامی	دو
حیدری	حکیم غلام علی	دو	منصف	منصف علی خاں	۸۱	امیر	سید محمد نواب	دو
خلاق	مولانا مقصود حسین	دو	مہدی	نواب مہدی علی خاں	دو	انجم	مولوی عبدالحق	۸۷
راجہ	راجہ بہادر	۶۹	نثار	میر افضل علی	دو	انور	مرزا انور علی	دو
راسخ	شیخ غلام علی	دو	وجد	سید شاہ امیرالدین	دو	باقر	سید شاہ باقر حسین	دو
سلیمان	سلیمان خاں	۷۴	وحشی	میر بخشی	۸۲	باقر	باقر حسن	۸۸
ضمیر	کنور ہیرا لال	دو	وحشتی	شاہ بخشش حسین	۸۳	باقر	منشی باقر رضا	دو
طپش	مرزا جان	۷۵	یاس	مولوی انور علی	دو		مولوی عصمت اللہ الشیخ	۸۸ پر حاشیہ
عاجز	میر غلام حیدر	دو		تیسرا دور طبقۂ متوسطین		باقر	سید باقر حسین	۸۸
عاشقی	آغا حسین قلی خاں	دو		سنہ ۱۲۵۱ھ سے سنہ ۱۳۰۰ھ تک		بحر	نواب احمد علی خاں	۸۸
عسکری	سید محمد عسکری	دو				بدر	راجہ گنگا پرشاد	۸۹
غالب	مرزا امان علی خاں	۷۶	احسن	ناظر علی احسن	۸۴	بسمل	منشی متو لال	دو
فرحت	خواجہ فیض اللہ	دو	احمد	سید احمد حسین	دو	بشیر	منشی بشیر الحق	دو

تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام	صفحہ
ہیجان	شیخ الٰہی بخش	۸۹	جوبا	شیخ علی حسن	۱۰۰
	حافظ اکرام احمد ضیغم	حاشیہ ۸۹	حامد	گھمنڈی لال	۱۰۰
بیکس	مرزا محمد	۸۹	حسرت	شمس العلما مولنا حاجی شاہ محمد سعید	۱۰۰
پریشان	شاہ محمد واجد	۹۰	حسرتی	لالہ بندا پرشاد	۱۰۳
پریشان	حکیم مولانا عبدالمجید	۹۰	حشر	مولوی ابوالفضل	۱۰۳
تائب	منشی بھگوان دین	۹۵	حشمتی	لالہ ماتا دین	۱۰۳
تبارک	تبارک حسین	۹۶	حقیر	حافظ عبدالرحیم	۱۰۳
تحسین	سید حبیب اللہ	۹۶	حقیر	سید اولاد احمد	۱۰۴
تسکین		۹۶	حکیم	مولوی محمد اسمٰعیل خاں	۱۰۴
تسلیم	میاں مہدی بخش	۹۶	حیدری	غلام حیدر	۱۰۴
تقی	سید محمد تقی	۹۶	حیران	میر حیدر	۱۰۴
تمکین	میر سعادت علی	۹۶	حیرت	منشی احمد حسین	۱۰۴
تمکین	میر عبدالحکیم	۹۷	حیرت	مولوی احمد کبیر	۱۰۵
تمنا	سید بندہ حسین	۹۷	حیرتی	محمد علی خاں	۱۰۶
تمنا	مرزا علی رضا	۹۷	خادم	حکیم مولوی سید فضیلت حسین	دو
توقیر	میر عبدالعلی	۹۷	خان	مولوی عبداللہ خاں	دو
ثاقب	راجہ جے گوپال سنگھ بہادر	۹۸	خاور	شیخ عبدالحکیم	دو
جادو	سلیمان خاں	۹۸	خبر	سید محمد مہدی	دو
جنون	مولوی عبداللہ	۹۸	خفی	راجہ بابو	۱۰۷
جنون	مولوی عبدالحق	۹۹	دانش	میر احمد حسین	دو
جوش	شاہ خلیل الدین احمد	۹۹	دل	منشی بینی پرشاد	۱۰۷
	مولوی عبدالغفور خاں نساخ	حاشیہ ۹۹	دلیر	دلیر شاہ	دو
جوہر	میر مشرف علی	۱۰۰	ذبیح	مرزا امان علی	دو

صولت	مولوی سید محبوب شبر	صفحہ ۱۲۳
ضمیر	ضمیر الدین احمد	۱۳۴
طاہر	مرزا محمد طاہر	رر
طبیب	ڈاکٹر حبیب اللہ	رر
ظہیر	آغا حسن	رر
عاجز	لالہ کملا پرشاد	۱۳۴
عاصی	محمد خیرات حسین	۱۳۵
عاصی	محمد خدا بخش	رر
عالی	علی نواب	رر
عباس	ناظر عباس علی	رر
عبرتی	ناظر میر وزیر علی	۱۳۵
عزیز	سید عبدالعزیز	۱۳۶
عطا	آغا مرزا	رر
علم	دوست محمد	رر
علیم	محمد علیم الدین	رر
عمر	محمد عمر	رر
عیش	نواب لیاقت علی خاں	رر
غلام	غلام نبی خاں	۱۳۷
فائز	سید ہادی علی خاں	رر
فدوی	لالہ سیوک رام	رر
فرحت	میر فرحت علی	۱۳۷
فرحت	قاضی سید فرحت حسین	۱۳۸
فرد	وحید الدین خاں	رر

فروغ	عنایت علی خاں	صفحہ ۱۳۸
فرہاد	سید شاہ الفت حسین	رر
فرید	مولوی حاجی محمد فرید	۱۴۲
فضل	محمد فضل الرحمن	۱۴۳
فہمی	شیخ دیانت حسین	رر
فیاض	فیاض حسین	رر
قادر	مرزا قادر بخش	رر
قاصر	لالہ جگت بہاری لال	رر
قابل	سید علی خاں	۱۴۴
قربان	میر قربان علی	رر
قرین	خواجہ عبدالکریم	رر
قمر	مرزا غلام حسین	رر
قمر	مولوی قمر الدین حیدر	۱۴۵
کامل	شاہ مرشد حسین	رر
کاہش	مولوی اولاد علی	رر
کبیر	رفعت حسین	رر
کرامت	سید شاہ کرامت حسین	۱۴۶
کلیم	سید خورشید احمد	رر
کلیم	حکیم سید محمد موسی	رر
کوثر	عبدالواحد خاں	رر
کیفی	سید منیر الدین احمد	رر
کیفی	شاہ مقبلا حسین	۱۴۷
گرامی	سید نور احمد	رر

گرم	منشی بشیر الحق	صفحہ ۱۴۸
گیسو	لالہ نند کشور سنگھ	رر
لایق	میر علی احمد	رر
ماہر	مرزا محمد یوسف حسین	۱۴۸
مایل	مولوی سید اصغر حسین	۱۴۹
مبارک	سید شاہ مبارک حسین	رر
متین	سید محمد باقر	رر
محزون	سید محمد حسین	رر
محسن	سید علی محسن	رر
محسن	محسن علی	رر
مختی	منشی ہری ہر ناتھ	۱۵۰
مخلص	سید اولاد علی	رر
مخلص	منشی محمد حسین خاں	رر
مداح	حکیم نوازش حسین	رر
مسلسل	شیخ وزیر علی	رر
مشتاق	حکیم غلام علی	۱۵۱
مشہور	حکیم لچھمی پرشاد	رر
مطہر	شاہ حفاظت حسین	۱۵۱
مفتون	سید محمد رضا	رر
مکرم	اکرام الدولہ مکرم علی خاں	رر
مکنت	اسمٰعیل علی خاں	۱۵۳
ممنون	میر امانت علی	رر
موج	مولوی محمد شفیع	رر

مہر	شیخ محمد اسمٰعیل	صفحہ ۱۵۴
نازش	محمد بشارت الحق	رر
ناطق	شیخ احمد شاہ	رر
نایاب	حکیم محمد ہادی حسن خاں	رر
نثار	نثار علی	۱۵۶
نجف	شیخ نجف علی	رر
نذر	میر نجف علی	رر
نصر	شاہ علی حبیب	رر
نکہت	سید حامد حسین	۱۵۷
نور	مولوی محمد نور الحسین	رر
نہال	سید شاہ نہال حسن	۱۵۷
نیر	مولوی عبدالغفور	۱۵۸
وزیر	وزیر علی خاں	رر
وصی	شاہ وصی احمد	۱۵۹
ولا	حسن نواب	رر
وہبی	شاہ دیدار حسن	رر
ہاشم	سید محمد ہاشم	رر
ہما	سید احمد حسین	۱۶۰
ہمایوں	محمد یحیی	رر
ہوشیار	شیخ سید علی	رر
یار	مولوی محمد یار علی	رر
یحیی	سید شاہ محمد یحیی	۱۶۱
یکتا	مرزا انور علی خاں	رر
	قطعات تاریخ طبع تذکرہ	۱۶۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

اُردو زبان کا ادبی کارنامہ دنیا کی اکثر متمدن اور علمی زبانوں کی طرح نثر کے بجائے نظم ہی سے شروع ہوا۔ اور اس لئے یہ کچھ بھی تعجب خیز امر نہ تھا کہ اُردو نویسی کی نشو و نما اور ترقی کے ساتھ ساتھ۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں شعرا کا تذکرہ بھی اہل قلم کی مقام اور مرغوب ترین جولان گاہ بن گیا۔ یوں تو شعرا کے تذکرے فارسی میں پہلے بہتیرے لکھے گئے۔ لیکن ہندوستان کی ادبی تاریخ میں عظیم آباد کو یہ بھی ایک خاص امتیاز حاصل ہے کہ سب سے پہلے یہیں کے ایک باشندے میر غلام حسین شورش نے تقریباً ۱۱۶۵ھ میں شعرائے ریختہ کا تذکرہ ریختہ ہی میں قلم بند کیا (دیکھئے تذکرہ ہذا تذکرہ شورش)

شورش کے اس تذکرہ کے بعد پھر دوسرا تذکرہ شعرائے ہند کا جو اُردو زبان میں لکھا گیا وہ تذکرہ "گلشن ہند" ہے جسکو مرزا علی لطف نے

لے واضح ہو کہ تاریخ نثر اُردو۔ حصہ اول مطبوعہ ۱۳۴۸ھ کے صفحہ ۸۸ میں (بر حفحہ ۲)

۱۲۱۵ھ میں تذکرہ "گلزار ابراہیم"[۱] کی مدد سے بیشتر صوبہ بہار ہی کی آب و ہوا میں مرتب کیا (دیکھو تذکرہ ہذا۔ تذکرہ لطف) اور اس کے بعد ہی تو اُردو کی عام گرم بازاری ہو جانے کے باعث فارسی نویسی کا رواج ہندوستان سے بتدریج مٹتا گیا اور دیگر علوم و فنون کی کتابوں کے ساتھ تذکروں کی بھی اُردو زبان میں چنداں کمی نہ رہی۔

لیکن اس مقام پر اس امر کا بیان کر دینا بھی غالباً ناموزوں نہ ہوگا کہ سوانح نگاری کے اعتبار سے یہ تمام تذکرے۔ خواہ وہ فارسی میں لکھے گئے ہوں یا اُردو میں۔ محض نامکمل اور ناتمام حالات کا مجموعہ ہیں۔ عام طور پر تو ہر ایک تذکرہ میں حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) مولانا احسن صاحب مارہروی نے تذکرہ گلشن ہند کی نسبت تحریر فرمایا ہے کہ:-

اُردو شعرا کا یہ پہلا تذکرہ ہے جس میں شعرا کے حالات اُردو زبان میں لکھے گئے ہیں "الخ حالانکہ دیگر شہادتوں سے قطع نظر۔ خود اسی "تذکرہ گلشن ہند" میں بہ حوالہ "گلزار ابراہیم" مذکور ہے کہ۔ "شورش عظیم آبادی نے ایک تذکرہ شعرائے ریختہ کا ریختہ میں لکھا ہے" پھر باوجود اس کے "گلشن ہند" کو اُردو زبان کا پہلا تذکرہ قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اس کے ماسوا تذکرہ "گارسن دی تاسی" اور دیگر قدیم تذکروں میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ اور تذکرہ آبحیات تذکرہ میر میں بھی اس کا حوالہ پایا جاتا ہے۔

[۱] تذکرہ "گلزار ابراہیم" مؤلفہ نواب علی ابراہیم خاں خلیل عظیم آبادی ۱۱۹۸ھ تا ۱۲۰۴ھ میں مرتب ہوا۔ یہ فارسی زبان میں اُردو شعرا کا تذکرہ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں موجود ہے

شعرا کے تخلص و نام مع مختصر نمونہ کلام بلا تعین زمان و مکان لکھدئے جاتے ہیں۔ اگر کسی میں نام مع سکونت مذکور ہے تو سال ولادت و وفات اور تحصیل علمی اور خاندان وغیرہ کا حال معلوم نہیں۔ یا کسی میں یہ بھی تو وہ نہیں۔ پس ایسی حالت میں اگر کوئی شخص کسی شاعر کی نسبت یہ دریافت کرنا چاہے کہ وہ ہندوستان کے کس شہر یا کس صوبہ کا رہنے والا تھا کس سنہ اور کس خاندان میں پیدا ہوا۔ اوس کی تحصیل علمی کیا تھی اور اوس کی زندگی کے خاص سوانح کیا تھے؟ تو کوئی ایک تذکرہ خواہ کتنا ہی مستند کیوں نہو۔ ایسا نہیں پایا جاتا۔ جو ان سب امور پر کافی روشنی ڈال سکے۔ غور کرو کہ "گلشن بے خار" (مولفہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ دہلوی) کے ایسے مستند تذکرہ کے معائنہ سے بھی جو انیسویں صدی کے وسط میں لکھا گیا ہے۔ راسخ عظیم آبادی کے ایسے نامور اور مسلم الثبوت شاعر کی نسبت صرف اسقدر معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک مرد فقیر تھے۔ اور اکثر تذکروں میں تو ان کا نام بھی مذکور نہیں۔ اس کے ماسوا۔ باوجود اس کے کہ اہل یورپ فن تذکرہ نویسی اور تنقیدی سوانح نگاری میں مہارت کامل اور ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ لیکن اسی انیسویں صدی کے وسط میں ملک فرانس کے ایک مشہور اہل قلم "گارسن دی تاسی" نے جب شعرائے ہند کا ایک تذکرہ اپنی زبان میں قلم بند کیا تو اوس کو بھی انہیں مذکورہ دقتوں کا سامنا درپیش ہوا۔ اور اگرچہ اوس کا تذکرہ نمونہ کلام سے معرا ہونے کے باوجود اکثر ہندی نژاد تذکروں کے مقابل میں بعض اعتبار سے

فوقیت رکھتا ہے۔ تاہم وہ بھی ان مشکلات سے حسب مراد عہدہ برا نہ ہو سکا۔ جن کی طرف اوس نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں خود بھی اشارہ کیا ہے۔

لیکن ایسا کیوں ہو؟ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ اہل یورپ کو خواہ وہ انگلستان کے رہنے والے ہوں یا فرانس و جرمنی کے اپنے اپنے مختصر سے ملک کے کسی مشہور و نامور شخص کے مفصل سوانح بہم پہونچانے میں اسقدر دقتوں کا سامنا نہیں ہو سکتا جو ہندوستان کے ایسے وسیع ملک (جو بجائے خود قریب قریب سارے یورپ کے برابر ہے) کے تمام شعرا کے مفصل حالات فراہم کرنے میں پیش آسکتی ہیں۔ غور کرو کہ میر تقی میر صاحب جنہوں نے کبھی خواب میں بھی ملک دکن کو نہ دیکھا تھا اور ساٹھ برس کے سن تک دلّی سے باہر قدم نہیں نکالا۔ کیا اون پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اونہوں نے کیوں شعرائے دکن کا ناتمل تذکرہ میر عبدالولی عزلت کی بیاض سے (جو اون دنوں دلّی میں آئے ہوئے تھے) اُتار کر اپنے تذکرہ "نکات الشعرا" میں درج کر دیا۔ اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ قریب قریب کل تذکرہ نویسوں کا یہی حال ہے۔ پس ان مشکلات کو پیش نظر رکھکر یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ اگر میر صاحب موصوف یا دیگر تذکرہ نویس اپنے تذکروں کو تمام ہندوستان کے بجائے صرف اپنے ہی دیار کے شعرا تک محدود رکھتے تو تذکرہ نویسی کے مذکورہ بالا نقائص کی کوئی شکایت پیدا نہ ہو سکتی تھی اور ہر تذکرہ اپنی جگہ پر مکمل نظر آتا۔

اس کے ماسوا۔ یہ امر بھی محتاج بیان نہیں کہ اگرچہ دلّی و لکھنؤ کی طرح (بلکہ لکھنؤ کی تعمیر کے پچاس برس پیشتر سے) عظیم آباد بھی قدیم زمانے سے اُردو زبان اور اردو شاعری کا ایک مستقل مرکز رہا ہی لیکن اون شہروں کی طرح کسی شاہی پایہ تخت کا شرف نہ رکھنے کے باعث رفتہ رفتہ یہاں کے ادبی کارنامے گوشۂ گمنامی میں پڑ گئے یہاں تک کہ وہاں کے تذکرہ نویسوں کو بھی یہاں کے اکثر مشاہیر شعرا کے کمالات کی کماحقہٗ اطلاع حاصل نہ ہو سکی۔

معہذا اہل نظر سے یہ امر بھی پوشیدہ نہ ہوگا کہ اول تو ایسا کوئی مستقل تذکرہ لکھا ہی نہ گیا جو متقدمین و متاخرین شعرائے عظیم آباد و صوبہ بہار کے کارناموں پر مشتمل ہو اور جس سے اس تذکرہ کی ترتیب میں مدد لی جا سکتی اور اس کے ماسوا۔ بعض مختصر یا انفرادی تذکرے جو لکھے بھی گئے تو اون میں مورخانہ تحقیقات سے اسقدر بے پروائی سے کام لیا گیا ہے کہ تاریخی صحت کے متعلق بہ مشکل اون پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔[۱]

۱؎ حضرت شاد مرحوم نے حیات فریاد میں حضرت عشق کو راسخ عظیم آبادی کا شاگرد لکھ دیا ہی حالانکہ خود راسخ فدوی کے شاگرد تھے اور فدوی کو عشق سے تلمذ تھا۔

پھر حال میں مولوی لطیف اللہ صاحب خستہ نے "رہنمائے اردو" جلد دوم صفحہ ۱۸۴ تذکرہ امیر مینائی میں تحریر فرمایا ہے کہ "حضرت امیر مینائی نے داغ کے ایک سال بعد ۱۹۰۶ء میں حیدرآباد میں وفات پائی"۔ اور حضرت داغ کا سنہ وفات

فی الجملہ انہیں خیالات کی بناپر راقم الحروف نے اس تذکرہ کو صرف اپنے ہی دیار عظیم آباد و صوبہ بہار کے شاعروں۔ ادیبوں اور دیگر اہل قلم کے صحیح و ضروری سوانح کی ادبی تاریخ کے طور پر مرتب کر دینا مناسب خیال کیا۔ اور اس کا نام "تاریخ شعرائے بہار" رکھا اور گویہ کام ابتدا میں بہ ظاہر آسان تر نظر آتا تھا۔ لیکن فن تذکرہ نویسی کے میدان میں قدم رکھنے کے ساتھ جس قسم کی مشکلات اور مرحلات در پیش آتے ہیں اون کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ ایک ایک مختلف فیہ تاریخی واقعہ کی تحقیق یا دیگر حالات کی تفتیش کے لیے کتنے مختلف تذکروں اور کتابوں کی ورق گردانی اور کتنے دروازوں کی خاک چھاننے کے بعد گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) ۱۸۹۹ء لکھا ہی۔ حالانکہ امیر مینائی نے جب حیدرآباد میں وفات پائی تھی تو داغ اوسوقت زندہ و سلامت موجود تھے اور کئی سال بعد تک زندہ رہے۔ چنانچہ یہ تاریخ وفات بھی حضرت داغ کے نتائج افکار سے موجود ہے ؎

ہو دعا بھی داغ کی تاریخ بھی — قصر عالی پائے جنت میں امیر

اسی طرح تذکرہ "یادگار عشق" میں بھی بعض تاریخی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل تذکرہ عشق میں آگے مذکور ہے۔

ان مثالوں سے اس فقیر کا مقصد کسی پر اعتراض کرنا نہیں ہی۔ لیکن یہ تبادلہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ عموماً تذکرہ نویس مورخانہ تحقیقات سے کسقدر بے پروا ہوتے ہیں اور اون کی تالیفات سے کوئی محقق و اہل نظر فائدہ نہیں اٹھا سکتا!

فی الجملہ انہیں خیالات کی بنا پر راقم الحروف نے اس تذکرہ کو صرف اپنے ہی دیار عظیم آباد و صوبہ بہار کے شاعروں۔ ادیبوں اور دیگر اہل قلم کے صحیح و ضروری سوانح کی ادبی تاریخ کے طور پر مرتب کر دینا مناسب خیال کیا۔ اور اس کا نام "تاریخ شعرائے بہار" رکھا اور گو یہ کام ابتدا میں بہ ظاہر آسان تر نظر آتا تھا۔ لیکن فن تذکرہ نویسی کے میدان میں قدم رکھنے کے ساتھ جس قسم کی مشکلات اور مرحلات درپیش آتے ہیں اون کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ ایک ایک مختلف فیہ تاریخی واقعہ کی تحقیق یا دیگر حالات کی تفتیش کے لیے کتنے مختلف تذکروں اور کتابوں کی ورق گردانی اور کتنے دروازوں کی خاک چھاننے کے بعد گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) ۱۸۹۹ء لکھا ہے۔ حالانکہ امیر مینائی نے جب حیدرآباد میں وفات پائی تھی تو داغ اوسوقت زندہ و سلامت موجود تھے اور کئی سال بعد تک زندہ رہے۔ چنانچہ یہ تاریخ وفات بھی حضرت داغ کے نتائج افکار سے موجود ہے ؎

ہو دعا بھی داغ کی تاریخ بھی　　　قصر عالی پائے جنت میں امیر

اسی طرح تذکرہ "یادگار عشق" میں بھی بعض تاریخی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل تذکرہ عشق میں آگے مذکور ہے۔

ان مثالوں سے اس حقیر کا مقصد کسی پر اعتراض کرنا نہیں ہے۔ لیکن یہ تبادلہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ عموماً تذکرہ نویس مورخانہ تحقیقات سے کسقدر بے پروا ہوتے ہیں اور اون کی تالیفات سے کوئی محقق و اہل نظر فائدہ نہیں اٹھا سکتا!

پس اگرچہ ایک ایک شخص کے مفصل اور صحیح حالات اور بعض حالات میں نمونۂ کلام بھی۔ فراہم کرنے میں چند در چند دقتیں درپیش ہوئیں۔ اور باوجود پیہم علالتوں کے مسلسل کئی سال تک روزانہ کئی کئی گھنٹے صرف قلم اور کاغذ اور کتاب اور چھان بین سے سابقہ رہا۔ لیکن الحمدللہ والمنہ۔ کہ آخرکار یہ ایک ایسا جامع تذکرہ مرتب ہو گیا جو اس دیار کے سات سو گذشتہ و موجودہ اہل سخن کے سوانح مع نمونۂ کلام و فہرست تالیفات و تصنیفات کا۔ غیر ضروری حالات سے قطع نظر کرکے صرف ضروری اور تاریخی امور کے اعتبار سے۔ ایک مکمل انسائیکلوپیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ اور جو عظیم آباد و صوبہ بہار کی دو سو برس کی ایک ایسی مفصل ادبی تاریخ کا حکم رکھتا ہے کہ آئندہ اسی کی بنیاد پر عالیشان عمارتیں قائم کی جا سکتی ہیں ؎

خارہا از اثر گرمی رفتارم سوخت　　　منتے بر قدم راہ روانست مرا

اس تذکرہ کی ترتیب اس طریقہ پہ رکھی گئی ہے کہ اس کو دو حصوں میں منقسم کرکے حصہ اول میں "اردو زبان اور اردو شاعری" کی ایک جامع تاریخ بیان کرنے کے بعد پچاس پچاس برس کا ایک دور قرار دیکر ۱۱۵۰ھ (اور پیشتر) سے ۱۳۰۰ھ تک ہر دور کے شعرا کا جامع تذکرہ مع نمونۂ کلام علیحدہ علیحدہ دور میں بیان کیا گیا ہے۔ جس سے ہر دور کے تاریخی حالات اور صوبہ بہار میں اردو کے غیر مطبوعہ ادبی ذخیروں کی مقدار ذہن نشین ہو جانے کے ساتھ اس کا بھی اندازہ کیا جا سکے

اور کہنہ مشق و نومشق کسی کو بھی تا بہ امکان نظر انداز نہیں کیا گیا۔ تاکہ ملک کی ادبی یادگاروں کے ساتھ آئندہ نسلیں بھی اس فقیر کی تاریخی خدمت سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

اس مقام پر اس امر کا بیان کر دینا بھی ناموزوں نہ ہوگا۔ کہ اس تذکرہ میں شعرا کے ناموں کی تقدیم و تاخیر حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ مناسب خیال کی گئی۔ چنانچہ ہر دور کے علیحدہ علیحدہ عنوان میں بھی جداگانہ طور پر یہی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے۔ پس زمانہ کے اعتبار سے جس شاعر کو جس دور سے تعلق ہے اوس کا تذکرہ اوسی دور میں مذکورہ ترتیب کے تحت میں پایا جائے گا۔ اور اس بنا پر کسی کا نام اول یا آخر میں واقع ہونا افضلیت کا معیار نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اس تذکرہ کی تیاری میں جسقدر قلمی اور مطبوعہ کتابوں کے مطالعے اور حوالے کی ضرورت لاحق ہوئی اون کی فہرست حسب ذیل ہے:-

مصنف		مصنف	
تذکرہ گلزار ابراہیم۔ نواب علی ابراہیم خاں	قلمی	نشتر عشق۔ اغا حسین قلی خاں عاشق	قلمی
صحف ابراہیم ״	״	تذکرہ فارسی۔ مصحفی	״
خزانۂ عامرہ۔ حسان الہند آزاد بلگرامی	״	عقد ثریا۔ ״	״
سرو آزاد۔ ״	״	سیر المتاخرین۔ نواب غلام حسین خاں	مطبوعہ
تذکرہ ہندی۔ مصحفی	״	خمخانہ جاوید۔ لالہ سری رام ام اے	״
سفینۂ خوش گو۔ بندرابن داس خوشگو	״	جلوۂ خضر ۲ جلد۔ صفیر بلگرامی۔	״

مصنف			
گلشن ہند۔ مرزا علی لطف۔	مطبوعہ	طومار اغلاط۔ مولوی عصمت اللہ آسنح	مطبوعہ
گلشن بے خار۔ نواب مصطفیٰ خان	״	تاریخ ہندی و ہندوستانی لٹریچر۔ ڈی ٹاسی	״
مقدمہ دیوان حالی۔ مولانا حالی	״	تذکرہ فروغ بزم۔ خلش ندروی	״
گلستان سخن۔ صہبائی دہلوی	״	یادگار وطن۔ مولانا شوق نیموی	״
تاریخ ادب اردو۔ رام بابو سکسینہ	״	نقش پائدار سہ جلد۔ خان بہادر مولانا شاد	
سراپا سخن۔ سید محسن علی محسن لکھنوی	״	تاریخ نثر اردو۔ مولانا احسن مارہروی	״
نکات الشعرا۔ میر تقی میر	״	سخن شعرا۔ مولوی عبد الغفور نساخ	״
تذکرہ شعرائے اردو۔ میر حسن دہلوی	״	نوائے وطن۔ خان بہادر شاد	״
چمنستان شعرا۔ رائے لچھمی نرائن شفیق	״	آب حیات۔ مولوی محمد حسین آزاد	״
گل رعنا۔ مولانا عبد الحی فرنگی محلی	״	یادگار عشق۔ ثاقب عظیم آبادی	״
شعر الہند۔ دو جلد۔ مولانا عبد السلام	״	یادگار ضیغم۔ مولوی عبد الصمد ضیغم	״
کاشف الحقائق۔ شمس العلما نواب سید امداد امام	״	شعر العجم سہ جلد۔ مولانا شبلی نعمانی	״
حیات فریاد۔ خان بہادر سید علی محمد شاد	״	تاریخ بہار۔ خان بہادر شاد	״

یہ سب کتابیں راقم الحروف کی نظروں سے گذری ہیں۔ اور اکثر کا حسب موقع حوالہ بھی جابجا لکھدیا گیا ہے۔ اور معہذا اکثر شعرا کے غیر مطبوعہ کلام اور مطبوعہ دواوین و دیگر تصانیف کی ایک کثیر تعداد جو برائے تبصرہ و انتخاب کلام اس سلسلہ میں پیش نظر رہیں اون کی طویل فہرست اس مذکورہ فہرست کے علاوہ ہے۔

اگرچہ اکثر قلمی اور مطبوعہ کتابیں پٹنہ کی مشہور "اورنٹیل پبلک لائبریری"

کتاب	مصنف	
گلشن ہند	مرزا علی لطف	مطبوعہ
گلشن بے خار	نواب مصطفیٰ خان	〃
مقدمہ دیوان حالی	مولانا حالی	〃
گلستان سخن	صہبائی دہلوی	〃
تاریخ ادب اردو	رام بابو سک	〃
سراپا سخن	سید محسن علی محسن لکھنوی	〃
نکات الشعرا	میر تقی میر	〃
تذکرہ شعرائے اردو	میر حسن دہلوی	〃
چمنستان شعرا	رائے لچھمی نرائن شفیق	〃
گل رعنا	مولانا عبدالحی فرنگی محلی	〃
شعر الہند دو جلد	مولانا عبدالسلام	〃
کاشف الحقائق	شمس العلما نواب سید امداد امام	〃
حیات فریاد	خان بہادر سید علی محمد شاد	〃
طومار اغلاط	مولوی عصمت اللہ آسنخ	مطبوعہ
تاریخ ہندی و ہندوستانی لٹریچر	ڈی ٹاسی	〃
تذکرہ فروغ بزم	خلش تدروی	〃
یادگار وطن	مولانا شوق نیموی	〃
نقش پایدار سہ جلد	خان بہادر مولانا شاد	
تاریخ نثر اردو	مولانا احسن مارہروی	〃
سخن شعرا	مولوی عبدالغفور نساخ	〃
نوائے وطن	خان بہادر شاد	〃
آب حیات	مولوی محمد حسین آزاد	〃
یادگار عشق	ثاقب عظیم آبادی	〃
یادگار ضیغم	مولوی عبداللہ ضیغم	〃
شعر العجم سہ جلد	مولانا شبلی نعمانی	〃
تاریخ بہار	خان بہادر شاد	〃

یہ سب کتابیں راقم الحروف کی نظروں سے گذری ہیں۔ اور اکثر کا حسب موقع حوالہ بھی جابجا لکھدیا گیا ہے۔ اور معہذا اکثر شعرا کے غیر مطبوعہ کلام اور مطبوعہ دواوین و دیگر تصانیف کی ایک کثیر تعداد جو برائے تبصرہ و انتخاب کلام اس سلسلہ میں پیش نظر رہیں اون کی طویل فہرست اس مذکورہ فہرست کے علاوہ ہے۔

اگرچہ اکثر قلمی اور مطبوعہ کتابیں پٹنہ کی مشہور "اورینٹل پبلک لائبریری"

اور "انجمن ترقی اردو" پٹنہ سٹی کے کتب خانے میں دستیاب ہوگئیں۔ تاہم بعض دیوان اور کتابیں اور بعض شعرا کے کلام جو اب تقریباً نایاب ہیں۔ اون سب کی فراہمی کے متعلق راقم الحروف اپنے اکثر اعزہ اور احباب کی اعانت اور دلچسپی کا بھی شکرگذار ہے۔ اور جنمیں عزیزی مولوی سید رفیع الدین بلخی وکیل۔ عزیزی مولوی محمود شیر وکیل۔ عزیزی قاضی عبدالودود بیرسٹر۔ عزیزی مولوی سید جمال الدین وکیل۔ عزیزی مولوی یوسف الدین بلخی۔ عزیزی مولوی ضمیر الدین احمد۔ مولوی ابوالحیات ساکن روہائی۔ جناب مولوی ریاض حسن خاں صاحب خیال رئیس سولپور۔ مولوی شاہ منظور الرحمن اختر ساکن کاکو۔ سید شاہ خلیل الرحمن مخلیوہ۔ مولوی احسان حسن خاں صاحب احسان۔ عزیزی پروفیسر عبدالمنان بیدل۔ جناب حکیم سید شاہ محمد الیاس صاحب یاس بہاری۔ اور ڈاکٹر عظیم الدین احمد صاحب (پی۔ ایچ۔ ڈی) اس مقام پر قابل ذکر ہیں۔

آخر میں راقم الحروف بہار گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ آنریبل سر سید محمد **فخر الدین** خان بہادر۔ وزیر تعلیمات بہار و اڑیسہ کا تہ دل سے شکرگذار ہے جنہوں نے صوبہ کے اکثر مشاہیر اہل قلم کی قدردانیوں کے ساتھ۔ اس فقیر کی سابق تصنیف موسوم بہ "انسان کی پرواز" کی ڈھائی سو جلدیں اسکولوں اور کالجوں کے کتب خانے کے لئے خرید فرماکر اوس کی اشاعت میں بیش بہا امداد فرمائی تھی۔ اور جنکی علمی قدردانیاں صوبہ بہار کے ادبی کارناموں کے ساتھ صفحات تاریخ پر ہمیشہ یادگار رہینگی۔

راقم خاکسار

سید عزیز الدین احمد بلخی المتخلص بہ راز عظیم آبادی
بخشی محلہ۔ پٹنہ سٹی

۲۸ دسمبر ۱۹۳۰ء

زبانیں تھیں۔ اپنی جگہ پر بدستور آزاد رہ گئیں۔ اور سنسکرت کا اون پر کوئی نمایاں اثر نہیں پڑا۔

ہمارے صوبہ بہار کو قدیم زمانے میں مگدھ دیس کہتے تھے اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ یہاں پالی زبان بولی جاتی تھی۔ ڈھائی ہزار برس کا عرصہ گذرا بودھ مذہب کے پیغمبر حضرت گوتم بدھ پر بودھ گیا میں تجلی حق کا ظہور ہوا۔ اور اونھوں نے اسی مقدس پالی زبان میں اپنے مقدس دین کی تبلیغ شروع کی۔[1] اور اسی زبان میں اون کے مذہبی احکام بھی قلمبند ہوئے

مگدھ دیس کے راجہ اور ہندوستان کے بہتیرے راجاؤں نے اس نئے دین کو لبیک کہا۔ اور اس طرح بودھ مذہب کے ساتھ ساتھ اس مقدس پالی زبان نے بھی تمام ہندوستان میں مقبولیت حاصل کر لی۔

بہرحال یہ مقدس پالی زبان جب مذہب کا جھنڈا لیکر اپنے دیس سے قدم آگے بڑھاتی چلی تو برج بھاشا اور ہندوستان کی دیگر پراکرتیں بھی بتدریج اس میں مخلوط ہوتی گئیں۔ یہانتک کہ راجہ اسوک کے عہد تک جب پاٹلی پتر یعنی پٹنہ تمام ہندوستان کی

[1] حضرت گوتم بدھ تقریباً سنہ ۵۶۸ ق م میں پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۴۸۸ قبل مسیح میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی پیدایش اور انتقال کے زمانہ میں مورخوں کا اختلاف ہے برما اور سیلون کے بودھ مذہب والے تقریباً ایک سو برس کا فرق بتاتے ہیں۔

وسیع سلطنت کا دارالحکومت[1] تھا۔ تو صوبہ بہار سے پنجاب و دکن تک بودھ مذہب کی عملداری ہو جانے کے ساتھ۔ معبدوں۔ کانبوں۔ ستونوں اور پتھروں پر تمام تر اسی مخلوط پالی زبان کی عبارتیں کندہ کی ہوئی نظر آنے لگیں۔ اور یہ مخلوط زبان جب ہندوستان بھر میں بولی اور سمجھی جانے لگی تو اس نے سرو سنی بھاشا کا لقب پایا۔ جس کے معنی ملکی زبان کے ہیں۔ یہانتک کہ بودھ مذہب کے ہندوستان سے مفقود[2] ہو جانے کے بعد بھی اگرچہ پھر قدیم ہندو دھرم کی جان میں جان آئی۔ مگر اس سرو سنی بھاشا

[1] راجہ اسوک نے سنہ ۲۷۲ ق م سے سنہ ۲۳۱ قبل مسیح علیہ السلام تک سلطنت کی اس نے راجگیر اور پاٹلی پتر میں بڑے بڑے دارالعلوم قائم کئے تھے۔ اور بودھ مذہب کی اشاعت کیلئے مبلغین غیر ممالک میں بھیجے۔ چین و جاپان میں بودھ مذہب اسی کی سعی سے پہونچا۔ اور اسوقت تبت چین جاپان۔ برما سیام انام اور سیلون وغیرہ میں چالیس کرور نفوس اس مذہب کے پیرو ہیں۔

[2] بودھ مذہب اور جین مذہب کی بنا اسی مگدھ دیس قدیم میں ہوئی۔ اور کروروں آدمی اسکو بڑا مقدس مقام جانتے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی دنیا کی تاریخ میں مگدھ دیس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ تاریخوں سے پایا جاتا ہے کہ سنہ ۶۱۰ع کے قریب کرن سوارن (بنگالہ) کے راجہ ساسنکا نامی نے راجہ راجیہ وردھانا نامی کو جو بودھ مذہب کا پیرو تھا ایک مجلس میں آنیکی دعوت دی اور فریب سے اوس کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد مگدھ دیس اور پاٹلی پتر میں بودھ مذہب والوں کو سخت ہزیمت پہونچائی۔ ان کے بتوں اور مورتیوں کو توڑ کر خاک میں ملا دیا۔ بودھ گیا کے اوس متبرک درخت کو بھی جہاں گوتم بدھ پر تجلی حق کا ظہور ہوا تھا جڑ سے کٹوا کر آگ لگا دی۔ اور اس مذہب والوں کی تمام خانقاہوں عبادت گاہوں اور تعلیم گاہوں کو مسمار کر دیا۔ اور ان کے رہنے والوں کو خانہ بدوش کر کے نکلوا دیا۔ اس واقعہ کے چھ سو برس بعد سنہ ۱۱۹۷ع میں محمد بن بختیار خلجی نے صوبہ بہار کو فتح کر کے مسلمانوں کی عملداری میں شامل کیا۔

کے عالمگیر راج میں کسی اور زبان کا سکہ پھر رائج نہ ہو سکا۔

اس کے بعد سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کے وقت سے مسلمان فاتحین عموماً فارسی اور کچھ ترکی بولتے ہوئے اس ملک میں داخل ہوئے۔ اور یہیں رہنے سہنے بھی لگے۔ اون کے شاہی فرمانوں اور دفتروں کی زبان تو جوں کی توں فارسی ہی رہی۔ مگر ایک جگہ رہ کر باہم لین دین اور بات چیت کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ فارسی کے کچھ الفاظ ہندوؤں کی زبانوں پر اور اس مخلوط بھاشا کے الفاظ مسلمانوں کی زبانوں پر چڑھ جائیں۔

غرض اوایل میں سلطنت غلامان ہی کے عہد سے فارسی اور بھاشا سے ملکر یہ مخلوط زبان آپس میں ایک دوسرے کے ادائے مطلب کا ذریعہ بن گئی۔ یہاں تک کہ آٹھویں صدی ہجری میں سلطان بلبن کے وقت میں حضرت امیر خسرو کے ایسے سربرآوردہ شاعر نے اسی مخلوط زبان میں مثنوی "خالق باری" نظم کر ڈالی جس کا یہ پہلا شعر ہے

خالق باری سرجن ہار ؛ واحد ایک بڑا کرتار

اور اون کی منظوم پہیلیاں اور مکرنیاں بھی اس کی شہادت میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اور شہنشاہ اکبر کے عہد تک تو ہندی کے بہت سے الفاظ مثلاً کٹار۔ تلوار۔ گھوڑا۔ ہاتھی۔ رائے۔ راجہ مہاراجہ۔ گھڑی۔ گھڑیال۔ گھاٹ وغیرہ نے بادشاہوں اور ادیبوں کی فارسی تحریروں میں مستقل طور پر اپنی جگہ بنالی تھی۔

کیونکہ ان[لہ] میں اکثر چیزیں خالص طور پر ہندوستان ہی کی تھیں اور فارسی میں ان کے لئے الفاظ پہلے سے موجود نہ تھے۔

اسی طرح عہد بہ عہد ہندوؤں کی زبانوں پر بھی عربی و فارسی کے بہتیرے الفاظ برج بھاشا میں ملے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جن کی متعدد مثالیں مشہور و معروف کبیر شاہ و تلسی داس اور گرونانک کے دوہوں میں بھی موجود ہیں۔ جو آج تک لوگوں کی زبانوں پر جاری ہیں اور زیادہ محتاج تفصیل نہیں۔ مثلاً

چلتی چکی دیکھ کے دیا کبیرا روئے ؛ دو پاٹن کے بیچ میں ثابت بچا نہ کوئے

تلسی جگ میں آن کے دو ہی سیانے کام ؛ دینے کو روٹی بھلی اور لینے کو ہر نام

نانک ننھے بنے رہو کہ جیسے ننھی دوب ؛ بڑے بڑے بہجاویں گے اور دوب بگی خوب

اردو زبان کی وجہ تسمیہ

یہ امر کہ عام طور پر اس مخلوط زبان کا نام اُردو کیونکر پڑ گیا۔ بہت زیادہ تفصیل طلب نہیں ہے۔ سلطنت مغلیہ میں فوجی بازار کا نام اُردو تھا۔ جو ایک ترکی لفظ ہے۔ یہی بازار ایک ایسا مقام تھا جہاں ولایتی فوجی سپاہیوں کے ساتھ۔ جو عموماً ترک تاتاری۔ مغل اور ایرانی ہوتے تھے۔ یہاں کے دیسی تاجروں پیشہ وروں اور کاروباری آدمیوں کو روزانہ لین دین۔ خرید و فروخت۔ اور دیگر معاملات میں باہم گفتگو کرنی پڑتی تھی۔ اس بازار کو اُردو کہتے ہی تھے۔ اب جو ایک نئی مخلوط زبان اس بازار میں

لہ دیکھو آئین اکبری۔ تزک جہانگیری اور رقعات عالمگیری۔

کیونکہ اُن میں[1] اکثر چیزیں خالص طور پر ہندوستان ہی کی تھیں اور فارسی میں ان کے لئے الفاظ پہلے سے موجود نہ تھے۔

اسی طرح عہد بہ عہد ہندوؤں کی زبانوں پر بھی عربی و فارسی کے بہتیرے الفاظ برج بھاشا میں ملے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جن کی متعدد مثالیں مشہور و معروف کبیر شاہ و تلسی داس اور گرونانک کے دوہوں میں بھی موجود ہیں۔ جو آج تک لوگوں کی زبانوں پر جاری ہیں اور زیادہ محتاج تفصیل نہیں۔ مثلاً

چلتی چکی دیکھ کے دیا کبیرا روئے ؎ دو پاٹن کے بیچ میں ثابت بچا نہ کوئے
تلسی جگ میں آن کے دو ہی سیانے کام ؎ دینے کو روٹی بھلی اور لینے کو ہر نام
تانک ننھے بنے رہو کہ جیسے ننھی دوب ؎ بڑے بڑے دہجاویں گے اور دوب بھگی خوب

وزبان کی تسمیہ

یہ امر کہ عام طور پر اس مخلوط زبان کا نام اُردو کیونکر پڑ گیا۔ بہت زیادہ تفصیل طلب نہیں ہے۔ سلطنت مغلیہ میں فوجی بازار کا نام اُردو تھا۔ جو ایک ترکی لفظ ہے۔ یہی بازار ایک ایسا مقام تھا جہاں ولایتی فوجی سپاہیوں کے ساتھ۔ جو عموماً ترک تاتاری۔ مغل اور ایرانی ہوتے تھے۔ یہاں کے دیسی تاجروں پیشہ وروں اور کاروباری آدمیوں کو روزانہ لین دین۔ خرید و فروخت۔ اور دیگر معاملات میں باہم گفتگو کرنی پڑتی تھی۔ اس بازار کو اُردو کہتے ہی تھے۔ اب جو ایک نئی مخلوط زبان اس بازار میں

[1] دیکھو آئین اکبری۔ تزک جہاں گیری اور رقعات عالمگیری۔

اردو وجہ...

بہ سبیل ضرورت بولی جانے لگی اوس کا نام بھی عام لوگوں میں اسی لگاؤ سے اُردو زبان (یعنی فوجی بازار کی زبان) قرار پاگیا۔ مگر پڑھے لکھے لوگ اس کو "ریختہ[1]" کے نام سے بھی تعبیر کرنے لگے۔ اور یہ اس بنا پر کہ جس طرح چونا اور سُرخی وغیرہ مختلف اجزا کو باہم مخلوط کر کے ریختہ کی تعمیر ہوتی ہے۔ اوسی طرح مختلف زبانوں کے اختلاط سے اس زبان کا خاکہ تیار ہوا ہے۔ بہر حال عالمگیر کے عہد تک تو اردو زبان کا مکمل خاکہ تیار ہو گیا تھا۔

ملا عبد...

چنانچہ اسی عہد میں ملا عبدالقادر **بیدل** عظیم آبادی کا اردو میں یہ شعر مشہور ہے ؎

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں ؎ اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں

بیدل کے شاگردوں میں ایک عمدۃ الملک

[1] شعرا کے کلام سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ غدر کے زمانے تک بجائے "اردو" کے ریختہ ہی کا لفظ مستعمل تھا۔ سودا اور میر نے بھی یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ اور غالب فرماتے ہیں ؎

ریختہ کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب ؎ کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

مگر اس زمانے کے بعد سے شعرا نے اس لفظ کو ترک کر دیا ہے۔ اور اب اُردو ہی کا لفظ مستعمل ہے۔ مثلاً داغ فرماتے ہیں

نہیں کھیل ہے داغ یاروں سے کہہ دو ؎ کہ آتی ہے اُردو زباں آتے آتے

نواب محمد امیر خاں انجام[۱] بھی تھے جو محمد شاہی دور کے مشاہیر اُردو شعرا میں شمار کیے گئے ہیں۔ اور محمد شاہ بادشاہ[۲] کے عہد تک تو قلعہ معلی کے اندر اس ریختہ کی بلند عمارت قائم ہو کر "اردوئے معلی" کا لقب حاصل کر چکی تھی۔ مشہور شاعر شمس الدین ولیؔ دکنی بھی اسی دور سنہ ۱۱۳۲ھ میں دکن سے دلّی آ گئے تھے۔

اگرچہ ایک زمانے تک عام طور پر مشہور رہا کہ ریختہ میں سب سے پہلے ولیؔ نے دیوان مرتب کیا ہے یا سب سے پہلے شاعر ولیؔ ہوئے ہیں لیکن اب یہ بات روشنی میں آگئی ہے کہ یہ خیال محض غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ ولیؔ سے سوا سو برس پیشتر دکن میں اردو شاعری کا رواج ہو چکا تھا۔ اور اصناف سخن میں سے ہر صنف ریختہ میں لکھی جا چکی تھی اس کی کسیقدر تفصیل یہ ہے کہ دکن میں عالم گیر کے وقت تک قطب شاہیوں کی

۱؎ نواب امیر خاں انجام کا اصلی نام سید محمد اسحٰق تھا۔ یہ محمد شاہ رنگیلے کے وزیر تھے۔ کچھ دنوں کے لئے الٰہ آباد کے صوبہ دار بھی مقرر ہوئے تھے۔ سنہ ۱۱۵۶ھ میں ایوان شاہی میں ایک شقی القلب نے ان کو قتل کر دیا ؎

نعش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے ؛ کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی
ساتھ اپنے مر کے تھا انجام پاس تمکنت ؛ شکر ہے تڑپے نہ زیر خنجر جلاد ہم

۲؎ محمد شاہ بادشاہ خود بھی شاعر تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

کھول کر بند قبا دل کے تئیں غارت کیا ؛ کیا حصار قلب دلبر نے کھلے بندوں کیا
نین میں دل کی چکری جب کے بھیجا ہوں تری خاطر ؛ اگر پہونچے تمہارے ہاتھ لکھ بھیجو کہ پہونچی ہے

ایک خود مختار سلطنت موجود تھی۔ انھیں قطب شاہیوں میں محمد قلی قطب شاہ (متوفی سنہ ۱۰۲۲ھ) محمد قطب شاہ (متوفی سنہ ۱۰۳۵ھ) اور عبداللہ قطب شاہ (متوفی سنہ ۱۰۸۳ھ) یہ تینوں بادشاہ شاعر تھے۔ جن میں مقدم الذکر کے ضخیم کلیات کا شاہی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں آج تک موجود ہے۔ اور ان تینوں کے مکمل دیوان کے نسخے نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانے میں بھی موجود ہیں۔ مثال کے طور پر محمد قلی قطب شاہ کے دو شعر ملاحظہ ہوں جو اُردو کلام کا غالباً سب سے قدیم ترین نمونہ ہیں ؎

پیا ہوں میں حضرت کے ہات آب کوثر ؛ تو شاہاں اُپر مجھ کلس کر بنایا
سدا تو مدح نبی و علی کہ کہتا ہے ؛ معانی شعر ترا تو لکھے ہیں دست ابد

فی الجملہ ان قطب شاہیوں کے بعد اور بھی چند شعرا مثلاً ملا ہاشمی۔ مولانا نصرتی۔ اور میر زا ان مرثیہ گو وغیرہ کا ذکر "بساطین السلاطین" میں موجود ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ ریختہ میں شعر و سخن کا چرچا پہلے پہل دکن سے شروع ہوا ہے۔ اور اس کے بعد ولیؔ ولی کے زمانے سے اس کا نشو و نما ہوا۔

اس کے ماسوا خود ولیؔ کے معاصرین میں عارف الدین خاں عاجز

۱؎ شمس الدین ولیؔ اورنگ آباد دکن کے رہنے والے تھے۔ تقریباً سنہ ۱۰۷۹ھ میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۱۳۲ھ میں دلّی میں آئے تھے۔ اور سنہ ۱۱۵۵ھ میں احمد آباد میں وفات پائی۔

دیباچہ میں بیان کی ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ بہت سے الفاظ جو ولی دکنی کے وقت تک شعرا نے اور خود انہوں نے غلط استعمال کئے تھے۔ مثلاً بجائے تسبیح کے تسبی۔ اور دیوانہ کو دوانہ۔ وغیرہ۔ اور بجائے "سے" کے "سیتی" یا "سوں" اور بجائے "کو" کے "کوں" وغیرہ۔ ان سبھوں کو انہوں نے قابل ترک قرار دیا۔ اور اسی اصول پر اپنے کلیات سے انتخاب کرکے "دیوان زادہ" مرتب کیا۔

شاہ حاتم ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اور بقول مصحفی ان کی وفات ۱۱۹۶ھ میں ہوئی۔ ان کے شاگردوں کی تعداد ۴۵ تھی جنمیں سب سے زیادہ نامور مرزا رفیع سوداؔ ہیں

شاہ حاتم کے علاوہ اس محمد شاہی دور کے ارباب کمال میں سراج الدین خاں آرزوؔ بھی خاص اعتبار سے قابل ذکر ہیں۔ یہ اگرچہ بذات خود فارسی کے مسلم الثبوت شاعر ہیں۔ اردو میں انہوں نے گنتی کے صرف چند ہی شعر کہے ہیں۔ لیکن فن ریختہ کے کل نامور اساتذہ اور مصلحین زبان اردو جن کا شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں نشو و نما ہوا۔ مثلاً حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ۔ خواجہ میر دردؔ۔ میر تقی میرؔ۔ مرزا رفیع سوداؔ۔ وغیرہ۔ جن کی ذات سے ہندوستان کی دنیائے شاعری میں آج تک شاعری کے سلسلے قائم ہیں۔ ان سبھوں نے بقول مصنف "آبحیات" خان آرزوؔ ہی کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی۔"

بہر حال اس میں کلام نہیں کہ اُردو زبان کی تاریخ میں شاہ عالم کا دور اُردو شاعری کے معراج کمال کا زمانہ تھا۔ بادشاہ خود بھی شاعر تھے اور آفتابؔ تخلص کرتے تھے۔ اور حضرت مظہر جان جاناں۔ خواجہ میر دردؔ۔ میر اثرؔ۔ میر سوزؔ میر تقی میرؔ۔ مرزا رفیع سوداؔ۔ شیخ غلام ہمدانی مصحفیؔ۔ شیخ قلندر بخش جرأت۔ سید انشاء اللہ خاں انشاؔ۔ اور حضرت عشق اور جوششؔ اور راسخؔ عظیم آبادی وغیرہ جو اس دور کی یادگار ہیں۔ وہ سب ایسے باکمال اور یکتائے زمانہ ہوئے کہ ہندوستان کی خاک پھر اون کا بدل پیدا نہ کرسکی۔ اقلیم شاعری میں یہ لوگ اپنی اپنی طرز کے موجد قرار پائے۔ اور ان کے بعد لوگوں نے صرف انھیں کے تتبع کو اپنا سرمایہ کمال سمجھا۔ اور اس طرح عرصہ گاہ شعر و سخن کی تمام فضائے بسیط میں ایک مدت تک ان کی شہرت اور حسن قبول کی صدائے بازگشت گونجتی رہی۔

مظہر جاناںؒ

ان میں خصوصاً حضرت مظہر جان جاناںؒ وہ باکمال بزرگ ہیں جن کی نسبت مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ۔ (ترجمہ فارسی)

"سخن گوئی کی ابتدا میں کہ اوس وقت تک میرؔ و مرزاؔ کوئی"
" بھی میدان میں نہیں آئے تھے۔ ریختہ کے شعر کو فارسی"
" کے تتبع میں کہنے والے سب سے پہلے شخص یہی ہیں۔"

اور پھر آگے جاکر لکھتے ہیں کہ:۔

بہر حال اس میں کلام نہیں کہ اُردو زبان کی تاریخ میں شاہ عالم کا دور اُردو شاعری کے معراج کمال کا زمانہ تھا۔ بادشاہ خود بھی شاعر تھے اور آفتاب تخلص کرتے تھے۔ اور حضرت مظہر جان جاناں۔ خواجہ میر درد۔ میر اثر۔ میر سوز میر تقی میر۔ مرزا رفیع سودا۔ شیخ غلام ہمدانی مصحفی۔ شیخ قلندر بخش جرأت۔ سید انشاء اللہ خاں انشا۔ اور حضرت عشق اور جوشش اور راسخ عظیم آبادی وغیرہ اس دور کی یادگار ہیں۔ وہ سب ایسے باکمال اور یکتائے زمانہ ہوئے کہ ہندوستان کی خاک پھر اون کا بدل پیدا نہ کرسکی۔ اقلیم شاعری میں یہ لوگ اپنی اپنی طرز کے موجد قرار پائے۔ اور ان کے بعد لوگوں نے صرف انکی کے تتبع کو اپنا سرمایہ کمال سمجھا۔ اور اس طرح عرصہ گاہ شعر و سخن کی تمام فضائے بسیط میں ایک مدت تک ان کی شہرت اور حسن قبول کی صدائے بازگشت گونجتی رہی۔

مظہر ثانی

ان میں خصوصاً حضرت مظہر جان جاناںؒ وہ باکمال بزرگ ہیں جن کی نسبت مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ۔ (ترجمہ فارسی)

" سخن گوئی کی ابتدا ہیں کہ اوسوقت تک میر و مرزا کوئی "
" بھی میدان میں نہیں آئے تھے۔ ریختہ کے شعر کو فارسی "
" کے تتبع میں کہنے والے سب سے پہلے شخص یہی ہیں۔ "

اور پھر آگے چلکر لکھتے ہیں کہ:۔

" اس فقیر کے نزدیک زبان ریختہ کے نقاش اول "
" مرزا (مظہر) ہیں۔ اس کے بعد دوسروں نے "
" ان کی پیروی کی "

عظیم آباد کے اساتذہ متقدمین میں ہیبت قلی خاں حسرت۔ درد مند۔ اور میر باقر حزیں مرزا علیہ الرحمہ کے شاگرد اور مرید اور معتقد تھے۔

مرکز شاعر
دلی سے لکھن
اور عظیم آبا
میں منتقل ہ

بہر حال جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اُردو زبان کی تاریخ میں اس دور کے شعرا کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسوقت تک اُردو شاعری کے اعتبار سے تمام ہندوستان میں صرف دلی کو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ مگر اب دلی میں دھرا ہی کیا تھا۔ شاہ عالم برائے نام بادشاہ تھے۔ اور حقیقت میں مرہٹوں کا راج تھا۔ کسی کی رائی نہ دہائی۔ ہر طرف لوٹ مار اور بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی شخص دم بھر کے لیے چین سے میٹھی نیند نہیں سو سکتا تھا۔ جس کی بھیانک تصویر کا بعض رخ مرزا سودا نے بھی "شہر آشوب" میں عبرت انگیز طریقہ سے کھینچکر دکھایا ہے۔ اس ہلچل میں شعرا کی یہ جمی جمائی مجلس بالکل درہم برہم ہوگئی۔ رنگ میں بھنگ نظر آنے لگا۔ ایک ایک کرکے سب دلی سے نکل گئے۔ جس کی جدھر سینگ سمائی۔ بہتیروں نے مرشد آباد کا رخ کیا۔ اکثر عظیم آباد میں چلے آئے۔ اگرچہ عام طور پر لوگوں نے زیادہ تر لکھنؤ ہی کو تاکا۔ جہاں نواب آصف الدولہ کی

لیکن اس مقام پر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اسی دور میں شعرا کی یہ مجلس جب تک دتی میں گرم رہی اردو شاعری پر سلاطین اور امرا کے درباری تعلقات کا برا اخلاقی اثر نہیں پڑا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ حضرت مظہر جان جاناںؒ نے فارسی شاعری کے تصوفانہ انداز پر اس کی تجدید و اصلاح کی تھی۔ خواجہ میر دردؒ کے یہاں ہر مہینہ کی پندرہویں تاریخ کو مجلس مشاعرہ منعقد ہوتی تھی بعد کو انقلابات زمانہ سے جب ان کے ہاں مشاعرہ کا سلسلہ قائم نہ رہ سکا تو انہوں نے میر تقی میر صاحب سے فرمایا کہ اس مشاعرہ کو اپنے یہاں کیا کرو چنانچہ خود میر صاحب "نکات الشعرا" میں فرماتے ہیں کہ:۔ (ترجمہ)

"بندہ کے مکان پر ہر مہینے کی پندرہویں تاریخ کو جو مجلس ریختہ مقرر ہے۔ واللہ وہ انہیں بزرگ کی ذات سے ہے۔"

غرض جب تک اردو شاعری نے دتی میں نشو و نما پائی۔ اس نے گوشہ نشینوں اور قناعت پسندوں کے دائروں اور خانقاہوں سے نکل کر درباروں اور بازاروں کی ہوا نہیں کھائی تھی۔

حضرت مظہر جان جاناںؒ تو ۱۱۹۵ھ میں چوراسی سال کی عمر میں کسی شقی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ خواجہ میر دردؒ دلّی سے نکلے ہی نہیں اللہ پر توکل کئے اپنی جگہ پر بیٹھے ہی رہے۔ ۱۱۹۹ھ میں انتقال فرمایا میر سوزؔ اور مرزا رفیع سوداؔ درانیوں کے دوسرے حملہ کے وقت گھر چھوڑ کر پہلے ہی فرخ آباد جا چکے تھے۔ جب وہاں نواب مہربان خان رند کا کھیل بگڑا۔ تو ان لوگوں نے فیض آباد کا رخ کیا۔ جہاں بہو بیگم کی سیر

بہرحال۔ چونکہ مصحفی و ناسخ کے دور تک اردو زبان اس موجودہ قالب کو اختیار کر چکی تھی۔ اسلئے اسکی تاریخ کو ختم کرتے اور اس یار کے شعرا کا تذکرہ شروع کرنے کے پیشتر اس مقام پر اس امر کا اعادہ کر دینا بھی غالباً ناموزوں نہ ہوگا کہ اردو زبان کی اصل "سرواسنی بھاشا" ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اور اس "سرواسنی" زبان کی خمیر میں بودھ مذہب کی حکومت و اقتدار کی بدولت پالی زبان کا عنصر بہت زیادہ غالب ہے۔ یہ پالی زبان مگدھ دیس یعنی صوبہ بہار[1] کی خاص پراکرت تھی اور اس مناسبت سے یہ کہنا بھی شاید غلط نہ ہوگا کہ خصوصاً اہل بہار کو اردو زبان سے قدیمی ربط و مناسبت حاصل ہے اور یہ اس دیس کی مادری زبان کہی جا سکتی ہے۔

[1] پالی زبان میں "ویہار" یا "بہار" اس مکان کو کہتے تھے جہاں بودھ مذہب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ تعلیم گاہیں خاص قصبہ بہار میں بہت زیادہ تھیں۔ اس لئے اس قصبہ کا یہی نام مشہور ہو گیا۔ اور دار الحکومت ہونے کے باعث صوبہ کے نام کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔

واضح ہو کہ راجہ سانکا کی غارت گری کے بعد سنہ ۶۷۱ء سے سنہ ۱۱۹۶ء تک قصبہ بہار پالی خاندان کے راجاؤں کا دار الحکومت تھا جو عموماً بودھ مذہب کے راہب ہوا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں دار العلوم نالندہ تمام ہندوستان کے طالبان علم و فن کا مرجع و ماویٰ تھا مگر گیارہویں صدی عیسوی کے پیشتر یہ بھی تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ اس کے آثارات حال میں زمین سے کھود کر نکالے گئے ہیں۔ یہ مقام قصبہ بہار سے تین چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

بہر حال - چونکہ مصحفی و ناسخ کے دور تک اردو زبان اس موجودہ قالب کو اختیار کر چکی تھی - اسلئے اسکی تاریخ کو ختم کرتے اور اس پار کے شعرا کا تذکرہ شروع کرنے کے پیشتر اس مقام پر اس امر کا اعادہ کر دینا بھی غالباً ناموزوں نہ ہوگا کہ اردو زبان کی اصل "سرواسنی بھاشا" ہے - جیسا کہ اوپر بیان ہوا - اور اس "سرواسنی" زبان کی خمیر میں بودھ مذہب کی حکومت و اقتدار کی بدولت پالی زبان کا عنصر بہت زیادہ غالب ہے - یہ پالی زبان مگدھ دیس یعنی صوبہ بہار[1] کی خاص پراکرت تھی اور اس مناسبت سے یہ کہنا بھی شاید غلط نہ ہوگا کہ خصوصاً اہل بہار کو اردو زبان سے قدیمی ربط و مناسبت حاصل ہے اور یہ اس دیس کی مادری زبان کہی جا سکتی ہے -

[1] پالی زبان میں "ویہار" یا "بہار" اوس مکان کو کہتے تھے جہاں بودھ مذہب کی تعلیم دیجاتی تھی - یہ تعلیم گاہیں خاص قصبہ بہار میں بہت زیادہ تھیں - اس لئے اس قصبہ کا یہی نام مشہور ہو گیا - اور دار الحکومت ہونے کے باعث صوبہ کے نام کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے -

واضح ہو کہ راجہ ساسنکا کی غارت گری کے بعد سنہ ۶۷۱ء سے سنہ ۱۱۹۶ء تک قصبہ بہار پال خاندان کے راجاؤں کا دار الحکومت تھا جو عموماً بودھ مذہب کے راہب ہوا کرتے تھے - اس زمانے میں دار العلوم نالندہ تمام ہندوستان کے طالبان علم و فن کا مرجع و ماویٰ تھا مگر گیارہویں صدی عیسوی کے پیشتر یہ بھی تباہ و برباد ہو چکا تھا - اس کے آثارات حال میں زمین سے کھود کر نکالے گئے ہیں - یہ مقام قصبہ بہار سے تین چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے -



تاریخ شعرائے بہار

جلد اول

پہلا دور

متقدمین شعرائے عظیم آباد

سنہ ۱۱۵۰ھ (اور اس کے پیشتر) سے سنہ ۱۲۰۰ھ تک

(بہ ترتیب حروف تہجی)

اظہر تخلص - میر غلام علی نام - شاگرد میر شمس الدین فقیر دہلوی - دلّی سے نکل کر مرشد آباد آئے تھے - مگر کچھ دنوں کے بعد سنہ ۱۱۹۴ھ میں عظیم آباد چلے آئے - نواب علی ابراہیم خاں خلیل عظیم آبادی مؤلف تذکرۂ "گلزار ابراہیم" سے بھی ربط تھا - نمونہ کلام یہ ہے ؎

کرنا تھا جو کچھ نہ کر گئے ہم ۔۔۔ افسوس کہ یوں نہیں مر گئے ہم

بسر کر رہے تھے۔ نمونہ کلام ؎

اے چشم تو تھام اس کو ہے اشک تو جوش اوپر
مژگاں نہیں رکھ سکتے اس طفل کو دوش اوپر

آمین مولانا محمد امین اللہ خلف مولوی سلیم اللہ۔ مولد و وطن موضع نگرنہسہ ضلع عظیم آباد۔ تفسیر و حدیث مولانا شاہ عبد العزیز رح دہلوی سے پڑھی۔ تمام عمر طاعت و عبادت اور درس و تدریس میں بسر کی۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں ایک مدت تک مدرس بھی رہے۔ ایک رسالہ "حاشیہ میر زاہد" انکی تصنیف سے ہے۔ اور "شرح مسلم الثبوت" کی تالیف میں مصروف تھے کہ خود انکی کتاب حیات کا خاتمہ ہوگیا۔ نظم فارسی میں مہارت کامل رکھتے تھے۔ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و معجزات میں ان کا فصیح و بلیغ "قصیدہ عظمیٰ" آج تک ارباب علم میں متداول ہے جس کا یہ مطلع ہے ؎

مخدرات سراپردہ ہائے قرآنی   چہ دلبر اند کہ دل می برند پنہانی

یہ قصیدہ چند بار چھپ چکا ہے۔ ۲۷ ربیع الاول ۱۲۳۳ھ کو انتقال کیا ؎

مزرعِ عشق آمیں برگ و بر طرفہ دہد   افگند تخم وفا نخل جفا بر خیزد

مولانا محمد ابراہیم مرحوم مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ (متوفی ۹ رمضان المبارک ۱۲۸۲ھ) جنہوں نے "دیوان متنبی" کی شرح فارسی لکھی ہے ان کے پوتے تھے۔

آمین تخلص۔ خواجہ امین الدین نام۔ متوطن عظیم آباد۔ تقریباً سنہ ۱۱۹۵ھ میں چند سال پیشتر سے نواب مظفر جنگ میر محمد رضا[۱] کی سرکار سے منسلک تھے۔ ایک مدت تک اون کی رفاقت میں زندگی بسر کرتے رہے۔ جب یہ سلسلہ بھی درہم برہم ہوا تو نہایت قناعت اور جوانمردی کے ساتھ خانہ نشینی میں زندگی کے بقیہ دن گذار دیئے سنہ ۱۲۴۳ھ تک حیات تھے۔

نواب علی ابراہیم خاں سے بھی قدیمی ربط تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ "شعر فہمی اور سخن رسی میں نادر روزگار ہیں۔ بلندی فکر اور استقامت ذہن ایسی رکھتے ہیں جو انکے معاصرین میں کم تر پائی جاتی ہے۔" فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کیا ہے۔ دیوان فارسی کا ایک نسخہ خانقاہ عمادیہ عظیم آباد محلہ منگل تالاب

[۱] میر قاسم کی شکست کے بعد (جس کے مفصل حالات تذکرۂ عشق کے ضمن میں حاشیہ پر آگے مذکور ہیں) نظامت بنگالہ کی مسند پر جب میر جعفر دوبارہ متمکن ہوئے تو میر محمد رضا دیوان اور نائب ناظم مقرر ہوئے تھے۔ یہ ایرانی الاصل تھے۔ نن کمار (سابق حاکم ہگلی) بھی اسی عہدہ کیلئے امیدوار تھا۔ وہ مقرر تو نہ ہوسکا مگر اوسکی سازشوں اور شکایتوں کی بدولت محمد رضا خاں اور انکے نائب راجہ شتاب رائے دونوں گرفتار ہوکر کلکتہ روانہ کیے گئے۔ اور دو برس تک بغیر تحقیقات مقدمہ و ثبوت جرم قید میں پڑے رہے۔ بالآخر محمد رضا خاں کے خلاف جو ثبوت جرم نن کمار نے پیش کیے تھے وہ نواب علی ابراہیم خاں کی طرف سے ایسے رد کیے گئے کہ اونکی تردید نہ ہوسکی اور یہ بے جرم ثابت ہوکر رہا ہو گئے مگر اپنے کام سے معزول ہوگئے۔ مدت تک کلکتہ میں اپنی بحالی کیلئے کوشش کرتے رہے۔ آخر ۳ مارچ ۱۷۷۵ء کو پھر اپنے عہدہ پر بحال ہوئے ۔ ۱۲

کے کتب خانہ میں موجود ہے - ریختہ کا دیوان اب نایاب ہے یہ نمونہ کلام ہے

دنیا میں جو آ کر نہ کرے عشق بتاں کا نزدیک ہمارے نہ یہاں کا نہ وہاں کا

خورشید ترا دیکھ کے منہ کانپ کے نکلا مہ جا در مہتاب میں منہ ڈھانپ کے نکلا

گر ارادہ نہیں ہے آنے کا فائدہ اس قدر بہانے کا

آئی بہار ہو گئے ہر خار راہ سبز لیکن ہوئے نہ آہ یہ بخت سیاہ سبز

کیا کہوں یار سے اپنی سی کئے جاتا ہوں گالیاں کھاتا ہوں غصہ کو پئے جاتا ہوں

فائدہ کیا ہی بھلا ہم جو کریں فکر معاش غم کو کھاتے ہیں امین خون جگر پیتے ہیں

میں بوسہ جو مانگا جو تنجھلا گیے وہ لگا کہنے کیا ہے - کہا کچھ نہیں

دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی

صبح گر صبح قیامت ہو تو کچھ پروا نہیں ہجر کی جب رات ایسی بے قراری میں کٹی

اس زمانے میں امیں مت کر کسی سے دوستی شمع کی گردن - نہ دیکھی دوستداری میں کٹی

دل باندھئے تو یار کے کاکل سے باندھئے بلبل کو باندھئے تو رگ گل سے باندھئے

ایکدم ہو گئی گر اوس سے ملاقات تو کیا زندگی کا ہے مزا یہ کہ مساوات کٹے

دنیا میں کہنے کو سبھی کہلاتے ہیں بھلے پر ہے وہی بھلا جو کسی کا بھلا کرے

انور - شاہ علی اکبر خلف حیدر خاں - رفیق عمدۃ الملک امیر خاں

انجام - دو برس تک اپنے والد کے ہمراہ کابل میں رہے - اس کے بعد عظیم آباد آ کر تکیہ آغا حسینا میں فروکش ہوئے - آغا حسینا کے داماد بھی تھے

جمع کیا تھا - انہیں میں ایک مکتوب بنام شہزادہ مرزا جواں بخت جہاندار شاہ (خلف شاہ عالم بادشاہ) بھی ہے - جس میں انہوں نے حسن اور شام سندر کے عشق کی مشہور و معروف سچی داستان بیان کی ہے - جس کو میر تقی میر نے مثنوی "شعلہ عشق" میں اور مولانا شوق نیموی نے مثنوی "سوز و گداز" میں نظم کیا ہے - یہ واقعہ پٹنہ میں محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں گذرا تھا - چنانچہ میر صاحب "شعلہ عشق" میں فرماتے ہیں ؎

عجب کام پٹنہ میں اس سے ہوا عجب ایک عالم کو جس سے ہوا

اس قصہ کو منشی باقر علی خاں لکھنوی نے بھی نثر فارسی میں لکھا ہے جو ایک رسالہ کی صورت میں ۱۲۶۴ھ میں چھپا تھا

خواجہ عبد اللہ تائید نے ۱۲۰۶ھ میں انتقال کیا - دیوان فارسی مرتب تھا ؎

یارب بہ حق دیدۂ شب زندہ دار ما بے روئے دوست تیرہ مکن روزگار ما

بر مشت خاک ما چو رسیدی گریستی تا طرف دامن تو نہ گیرد غبار ما

بہ نامرادی جاوید چوں کنم تائید ز خود نہ سازد اگر نامہ بر جواب مرا

میر محمد عظیم - تحقیق

خلف میر بدیع الدین سمرقندی عرف میر میتن[1] - مولد و مسکن عظیم آباد

[1] عظیم آباد کا محلہ میتن گھاٹ غالباً انہیں کے نام سے موسوم ہے -

جمع کیا تھا۔ انہیں میں ایک مکتوب بنام شہزادہ مرزا جواں بخت جہاندار شاہ (خلف شاہ عالم بادشاہ) بھی ہے۔ جس میں انہوں نے حسن اور شام سندر کے عشق کی مشہور و معروف سچی داستان بیان کی ہے۔ جس کو میر تقی میر نے مثنوی "شعلہ عشق" میں اور مولانا شوق نیموی نے مثنوی "سوز و گداز" میں نظم کیا ہے۔ یہ واقعہ پٹنہ میں محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں گذرا تھا۔ چنانچہ میر صاحب "شعلہ عشق" میں فرماتے ہیں ؎

عجب کام پٹنہ میں اس سے ہوا   عجب ایک عالم کو جس سے ہوا

اس قصہ کو منشی باقر علی خاں لکھنوی نے بھی نثر فارسی میں لکھا ہے جو ایک رسالہ کی صورت میں سنہ ۱۲۶۴ھ میں چھپا تھا

خواجہ عبد اللہ تائید نے سنہ ۱۲۰۶ھ میں انتقال کیا۔ دیوان فارسی مرتب تھا ؎

یارب بحق دیدۂ شب زندہ دار ما   بے روئے دوست تیرہ مکن روزگار ما

بر مشت خاک ما چو رسیدی گر نیستی   تا طرف دامن تو نہ گیرد غبار ما

بہ نامرادی جاوید چوں کنم تائید   زخود نہ سازد اگر نامہ بر جواب مرا

تحقیق

میر محمد علیم۔ خلف میر بدیع الدین سمرقندی عرف میر میتن[1]۔ مولد و مسکن عظیم آباد

[1] عظیم آباد کا محلہ میتن گھاٹ غالباً انہیں کے نام سے موسوم ہے۔

سنہ ۱۰۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ معقولات و منقولات میں شہرہ آفاق۔ فن موسیقی و تیر اندازی میں کمال حاصل تھا۔ پیراکی میں ایسی مہارت بہم پہونچائی تھی کہ پانی پر چار زانو بیٹھکر گنگا کے پار اتر جاتے تھے۔ خوش حالی اور بے فکری کے باعث مینڈھے، مرغ اور بٹیریں لڑانے کا بھی شوق تھا۔ ایک مدت تک دلّی اور بنگال وغیرہ کی سیاحت میں مصروف رہے۔ پھر اپنے وطن مالوف کو واپس آگئے۔ زین الدین احمد خاں ہیبت جنگ کو ان سے بہت عقیدت تھی۔

شاعری میں مرزا معز موسوی خاں فطرت سے تلمذ تھا۔ اور خود ان کے تمام ہندوستان میں صدہا شاگرد تھے۔ بانوے برس کی عمر میں سنہ ۱۱۶۲ھ میں انتقال کیا۔ ان کے شاگرد لالہ اجاگر چند الفت نے یہ تاریخ کہی ؎

فرمود کہ تحقیق شدہ واصل حق

۱۱۶۲ھ

فارسی کا ایک دیوان ضخیم یادگار چھوڑا ؎

حباب بحر وجودم چہ از وجود مرا   کہ نیست غیر عدم در طلسم بود مرا

ہنوز صورت غیرم دو چار میگردد   گرفتم اینکہ دل آئینہ شد چہ سود مرا

تمکین

مولوی رحمت اللہ۔ نبیرۂ ملّا محمد امین۔ متوطن کشمیر۔ جو عہد شاہ جہاں کے مشہور علما میں تھے۔ علوم متداولہ سے

تذکرہ مذکور میں درج کرنے کے لئے ان کے پاس بنارس بھیجا تھا"

دیوان جوشش کا ایک قلمی نسخہ شیخ سبحان علی مرحوم (والد مولانا شوق نیموی) کے ہاتھ کا لکھا ہوا۔ مولانا شوق نیموی کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ جس پر تاریخ کتابت ۱۲۳۵ھ درج تھی ممکن ہے موضع نیمی میں اب تک محفوظ ہو۔ یہ نسخہ ۱۹ جزو میں تمام ہوا ہے ہر صفحے میں ۱۷ اشعر ہیں۔ اس میں قصاید بھی ہیں۔ اور تاریخ بھی ہے۔

اب ان کے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو

اوروں کی عیب جوئی اپنا ہنر نہیں ہے ‫ ‫ ‫ اپنی ہی عیب جوئی ہے یہ ہنر ہمارا

جب عشق میرا شہرۂ آفاق ہو گیا ‫ ‫ ‫ ایک عالم اوس کے حسن کا مشتاق ہو گیا

گلزار محبت میں نہ پھولے نہ پھلے ہم ‫ ‫ ‫ مانند چنار آگ میں اپنے ہی جلے ہم

تعلقات جہاں کی خبر نہیں رکھتا ‫ ‫ ‫ ہزار شکر کہ میں دردسر نہیں رکھتا

دے کے دل پچھتانے سے ہوتا ہے کیا ‫ ‫ ‫ ہونی تھی سو ہو چکی روتا ہے کیا

لینا تھا اوس کو دل سو لیا اوس نے نامہ بر ‫ ‫ ‫ اب میرے اوس کے نامہ و پیغام ہو چکا

غش آگیا وہ سامنے میرے جہاں ہوا ‫ ‫ ‫ مجکو وصال یار میسر کہاں ہوا

قیس پھرتا رہا جو دشت میں دیوانہ تھا ‫ ‫ ‫ اوس کو لیلی ہی کے در دو آرپہ مرجانا تھا

اشک گرم آنکھوں سے تا صبح رہے جاری رات ‫ ‫ ‫ آہ انگاروں پہ لوٹا کئے ہم ساری رات

نہ کوئی دوست ہے میرا نہ کوئی دشمن ہے ‫ ‫ ‫ ایک یہ دل ہے جو غرض دوست ہے یا دشمن ہے

کشور عشق میں رسوا سر بازار ہوئے ‫ ‫ ‫ اوس کے ہاتھ آپ بکے جس کے خریدار ہوئے

جس طرح دل کا داغ جلتا ہے ‫ ‫ ‫ اوس طرح کب چراغ جلتا ہے

ہیبت قلی خاں حسرت

حسرت تخلص۔ اصل نام میر محمد حیات تھا۔ باشندہ عظیم آباد۔ مرزا مظہر جانجاناںؒ کے معتقد اور شاگرد تھے۔ کچھ دنوں نواب شوکت جنگ خلف نواب صولت جنگ حاکم پورنیہ کی رفاقت میں رہے۔ اور کچھ دنوں کے لئے نواب سراج الدولہ ناظم بنگالہ کی سرکار میں داروغگی کی خدمت پر مامور ہوئے۔ نواب مذکور کی شہادت کے بعد یہ ایک مدت تک پریشان حال رہے۔ پھر (بقول مولف گلشن ہند) ۱۱۹۵ھ میں نواب مبارک الدولہ میر مبارک علی خاں بہادر خلف میر جعفر صوبہ دار بنگالہ کی رفاقت میں بھی نہایت غربت اور پریشانی کے ساتھ بسر کر رہے تھے۔ بالآخر ۱۲۰۲ھ میں اس سرائے فانی سے سفر کر گئے۔ نہایت لطیفہ سنج اور قانع اور حاضر جواب تھے۔ نواب علی ابراہیم خاں سے بھی ربط تھا۔ ایک دیوان ریختہ قریب دو ہزار بیت کے ان کی یادگار سے ہے۔ فیلن صاحب کا بیان ہے کہ دیوان اردو کے علاوہ ایک قصہ طوطی نامہ بھی ان کی تصنیف سے تھا۔ ان کے بعض اشعار ایسے بھی ہیں جو آج تک زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں مگر یہ کوئی نہیں جانتا

کشورِ عشق میں رسوا سرِ بازار ہوئے / اوس کے ہاتھ آپ بکے جس کے خریدار ہوئے

جس طرح دل کا داغ جلتا ہے / اوس طرح کب چراغ جلتا ہے

ہیبت قلی خاں حسرت

حسرت تخلص۔ اصل نام میر محمد حیات تھا۔ باشندہ عظیم آباد۔ مرزا مظہر جانجاناںؒ کے معتقد اور شاگرد تھے۔ کچھ دنوں نواب شوکت جنگ خلف نواب صولت جنگ حاکم پورنیہ کی رفاقت میں رہے۔ اور کچھ دنوں کے لئے نواب سراج الدولہ ناظم بنگالہ کی سرکار میں داروغگی کی خدمت پر مامور ہوئے۔ نواب مذکور کی شہادت کے بعد یہ ایک مدت تک پریشان حال رہے۔ پھر (بقول مولف گلشن ہند) ۱۱۹۵ھ میں نواب مبارک الدولہ میر مبارک علی خاں بہادر خلف میر جعفر صوبہ دار بنگالہ کی رفاقت میں بھی نہایت غربت اور پریشانی کے ساتھ بسر کر رہے تھے۔ بالآخر ۱۲۰۱ھ میں اس سرائے فانی سے سفر کر گئے۔ نہایت لطیفہ سنج اور قانع اور حاضر جواب تھے۔ نواب علی ابراہیم خاں سے بھی ربط تھا۔ ایک دیوان ریختہ قریب دو ہزار بیت کے ان کی یادگار سے ہے۔ فیلن صاحب کا بیان ہے کہ دیوان اردو کے علاوہ ایک قصہ طوطی نامہ بھی ان کی تصنیف سے تھا۔ ان کے بعض اشعار ایسے بھی ہیں جو آج تک زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں مگر یہ کوئی نہیں جانتا

کہ کس شاعر کے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

آپ ہی اپنے یار تھے۔ جاتا نہیں / غیر میں بھولے تھے پہچانتا نہیں

ہم نہ ہوں۔ تو ہو تو سب چرچا کریں / شمع ہی محفل میں پروانہ نہیں

کعبہ بھی ہم گئے نہ گیا ان بتوں کا عشق / اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

ترا غرور مرے عجز کے مقابل ہو / ادھر بہار ادھر ایک شیشۂ دل ہے

لے اوڑا کام اپنا پروانہ / ہائے ہم بال و پر نہ رکھتے تھے

میر محمد باقر حزیں

حزیں تخلص۔ میر محمد باقر نام۔ متوطن دہلی۔ محمد شاہی عہد کے شعرا میں نام آور۔ حضرت مرزا مظہر جانجاناں کے مرید اور ارشد تلامذہ میں تھے۔ دیوان میں جہاں کہیں استاد کا ذکر کرتے ہیں اوس اون کے اخلاص و عقیدت اور مرزا صاحب کے لطف و کرم کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

جس طرح جی چاہتا ہو ہو نہیں سکتی حزیں / حضرت استاد یعنی شاہ مظہر کی ثنا

نادر شاہ کی چڑھائی کے بعد دلی کی ویرانی مصائب روزگار اور افسردہ خاطری نے ان کو بھی گھر اور وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ تقریباً ۱۱۵۴ھ میں عظیم آباد چلے آئے اور نواب سعید احمد خاں صولت جنگ کی رفاقت میں عزت و آبرو کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے

حسب ذیل ہیں ؎

مزار اوس کی یہ گنبد نہیں۔ ہے قبہ نور — وہاں ہے جلوہ نما کچھ عجیب طرح کا ظہور
وہاں جو حوض نظر آتے ہیں وہ حوض نہیں — میں دیکھا چشم صداقت سے آج اوس کے تئیں
اور ایک طرف سین پری رو ہیں یا یہ تسخیر — لئے دلوں کو پھنسانے کو زلف کی زنجیر
عجب طرح کی ہے اون کی نگاہ کیا کہئے — وہ کھبے ہی ہے مرے دل میں آہ کیا کہئے
جب اون کے چاہ ذقن کا خیال آتا ہے — تو کیا کہوں مراجی ڈوب ڈوب جاتا ہے

خاکستر۔ منشی سب سکھ۔ برادر مہاراجہ رام نرائن موزوں صوبہ دار عظیم آباد۔ قوم کائستھ سری باستو۔ محمد فقیہہ دردمند (تلمیذ حضرت مظہر جانجاناں) کے فیض صحبت سے بہرہ مند تھے۔ نمونہ کلام ؎

بہار کرد گل عارض عرق ناکش — نگہہ بہ چشم تماشا ز شوق لبریز ست

خلیق۔ کرامت اللہ خاں۔ متوطن عظیم آباد۔ نواب ہدایت اللہ خاں خرم کے پوتے اور محمد جعفر خاں راغب کے بھتیجے تھے۔ ابتدا میں قدا تخلص کرتے تھے۔ لکھنؤ جا کر مرزا فاخر مکیں کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے خلیق تخلص عنایت کیا ؎

جاناں اگرچہ جائے وفا در دل تو نیست — لیکن کدام دل کہ درو منزل تو نیست
تا کے بہ غم عشق تو آہ از جگر آید — اے کاش دل خستہ ام از سینہ برآید

خورشید۔ سید خورشید علی۔ متوطن بلگرام ۱۱۵۹ھ میں

پیدا ہوئے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کیا ہے پہلے شیخ صائغ بلگرامی۔ پھر میر غلام علی آزاد[1] اور شیخ علی حزیں کے

[1] سید غلام علی آزاد بلگرامی ولد سید محمد نوح۔ علامہ عبدالجلیل بلگرامی کے نواسے تھے سنہ ۱۱۱۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ۳۵ برس کی عمر میں سنہ ۱۱۵۱ھ میں پیادہ پا بلگرام سے روانہ ہوئے مالوہ تک پیادہ پا چلے۔ پاؤں میں چھالے پڑ پڑ گئے۔ اتفاقاً نواب آصف جاہ دکن اون دنوں مالوہ میں وارد تھے۔ قسمت ان کو اوس لشکر میں لے گئی۔ الغرض نواب آصف جاہ کی اعانت سے زاد راہ خاطر خواہ لیکر حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہاں سے واپس آکر ان کی عمر کے ۴۸ سال دکن میں گذرے اور وہیں وفات پائی۔ اپنے وقت کے نہایت مشہور و معروف عالم و ادیب تھے۔ انہوں نے زبان عرب میں ایسے قصاید نعتیہ لکھے ہیں کہ خود ملک عرب میں ایک مدت تک اون کا درس دیا جاتا تھا۔ شاہ یمن نے "حسان الہند" کا خطاب دیا تھا۔ سنہ ۱۲۰۰ھ میں انتقال کیا۔ تذکرہ سرو آزاد۔ خزانہ عامرہ۔ اور ماثر الکلام کے علاوہ ۱۔ شرح صحیح بخاری عربی۔ ۲۔ شمامۃ العنبر در وصف ہند با آیات و حدیث عربی۔ ۳۔ تسلیۃ الفواد عربی۔ ۴۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان عربی۔ عربی گو شعرا کا تذکرہ مصر میں بھی شائع ہوا ہے۔ ۵۔ دیوان عربی سہ ہزار بیت۔ ۶۔ مثنوی مظہر البرکات عربی۔ ۷۔ سند السعادت فی حسن خاتمہ سادات فارسی ۸۔ روضۃ الاولیا فارسی ۹۔ غزلان الہند فارسی۔ ۱۰۔ دیوان فارسی۔ ۱۱۔ ید بیضا۔ ۱۲۔ شجرہ طیبہ در تحقیق نسب نامہ سادات بلگرام وغیرہ ان کی مشہور تصنیفات ہیں ۱۲ منہ

پیدا ہوئے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کیا ہے پہلے شیخ صائغ بلگرامی۔ پھر میر غلام علی آزاد[1] اور شیخ علی حزیں کے

[1] سید غلام علی آزاد بلگرامی ولد سید محمد نوح۔ علامہ عبدالجلیل بلگرامی کے نواسے تھے ۱۱۱۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ۳۵ برس کی عمر میں ۱۱۵۱ھ میں پیادہ پا بلگرام سے روانہ ہوئے مالوہ تک پیادہ پا چلے۔ پاؤں میں چھالے پڑ پڑ گئے۔ اتفاقاً نواب آصف جاہ دکن ان دنوں مالوہ میں وارد تھے۔ قسمت ان کو اوس لشکر میں لے گئی۔ الغرض نواب آصف جاہ کی اعانت سے زاد راہ خاطر خواہ لیکر حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہاں سے واپس آکر ان کی عمر کے ۴۰ سال دکن میں گذرے اور وہیں وفات پائی۔ اپنے وقت کے نہایت مشہور و معروف عالم و ادیب تھے۔ انہوں نے زبان عرب میں ایسے قصاید نعتیہ لکھے ہیں کہ خود ملک عرب میں ایک مدت تک اون کا درس دیا جاتا تھا۔ شاہ یمن نے "حسان الہند" کا خطاب دیا تھا ۱۲۰۰ھ میں انتقال کیا۔ تذکرہ سرو آزاد۔ خزانہ عامرہ۔ اور ماثر الکلام کے علاوہ (۱) شرح صحیح بخاری عربی۔ (۲) شمامۃ العنبر در وصف ہند بایات و حدیث عربی۔ (۳) تسلیۃ الفواد عربی۔ (۴) سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان عربی۔ عربی گو شعرا کا تذکرہ مصر میں بھی شائع ہوا ہے۔ (۵) دیوان عربی سہ ہزار بیت۔ (۶) مثنوی مظہر البرکات عربی۔ (۷) سند السعادت فی حسن خاتمہ سادات فارسی (۸) روضۃ الاولیا فارسی (۹) غزلان الہند فارسی۔ (۱۰) دیوان فارسی۔ (۱۱) ید بیضا۔ (۱۲) شجرہ طیبہ در تحقیق نسب نامہ سادات بلگرام وغیرہ ان کی مشہور تصنیفات ہیں ۱۲ منہ

فیض سخن سے بھی بہرہ مند ہوئے۔ ایام شباب میں آرہ ضلع شاہ آباد میں آکر مقیم ہوئے۔ سرکار انگریزی کی طرف سے بلیا کی تحصیل بھی ان کے سپرد ہوئی تھی۔ ۱۲۰۱ھ میں انتقال کیا۔ آرہ میں مدفون ہوئے۔ کلام اردو کا نمونہ یہ ہے ؎

اسقدر بیتابیاں ہیں اس دل بیتاب کو　　بے قراری جس طرح آتش پہ ہو سیماب کو

خوشتر۔ میاں فضل اللہ۔ خلف اصغر میاں محمد افضل سرخوش میاں مذکور نے فیض اللہ پسر کلاں کو تخلص خوش قلم۔ اور فضل اللہ کو خوش تر اور بندرابن داس مولف "تذکرہ خوش گو" کو تخلص خوش گو عنایت کیا تھا۔ مگر ان لوگوں کا کلام دستیاب نہیں ہوا ؎ (خوش تر)

دل خوش کن عشاق باقسوں نگاہے　　چوں چشم جگر خوار تو در تیہ نباشد

محمد فقیہہ دردمند

دردمند تخلص۔ محمد فقیہہ نام۔ وطن اصلی دکن ہے۔ بقول مولف "چمنستان شعرا[1]" قصبہ محمد آباد بیدر میں پیدا ہوئے۔

[1] تذکرہ "چمنستان شعرا" مولفہ رائے لچھمی نرائن شفیق پیشکار نظام الملک آصف جاہ۔ شاگرد میر غلام علی آزاد بلگرامی۔ ۱۱۷۵ھ میں لکھا گیا۔ اس کا صرف ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود تھا۔ جس کو حال میں "انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن" نے چھاپ کر شائع کر دیا ہے۔ یہ تذکرہ بین تذکرہ

وہاں رہے۔ بالآخر نواب علی وردی خاں مہابت جنگ کے بھتیجے نوازش محمد خاں شہامت جنگ کے حسب طلب یہ پھر دلی سے مرشد آباد آئے۔ اور کچھ دنوں فارغ البالی سے بسر کر کے سنہ ۱۱۷۶ھ میں وہیں انتقال کیا۔ ایک دیوان فارسی ان کی یادگار ہے۔ اردو میں تو یہی ساقی نامہ نہایت مشہور ہے۔ جس کا کچھ انتخاب اس مقام پر مذکور ہے ؎

ارے ساقی اے جان فصل بہار　　یہی تھا ہمارا و تیرا قرار
مرے عیش کا دفتر ابتر نہ کر　　قیامت کو مجھ پر مکرر نہ کر
تجھے جان گل کے لہو کی قسم　　تجھے باغ کے رنگ و بو کی قسم
کہ اس سرکشی سے نہ کر پائمال　　مرے خون کو اپنے اوپر حلال
لگی ہے ہی مجھے پیاس اب آگ کی　　گلوگیر ہے تشنگی راگ کی

شیخ محمد عابد دل

دل تخلص۔ شیخ محمد عابد نام۔ وطن عظیم آباد۔ شیخ محمد روشن جوشش کے بڑے بھائی تھے۔ نواب علی ابراہیم خاں خلیل لکھتے ہیں کہ سنہ ۱۱۹۳ھ میں انہوں نے اپنا کلام مرشد آباد میں بھیجا تھا تاکہ تذکرہ "گلزار ابراہیم" میں درج کیا جائے۔ ان کے کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

گر یار نے آنے کا وعدہ نہ کیا ہوتا　　اب تک دل مضطر نے کیا کیا نہ کیا ہوتا

دل میں ہمارے عشق کا جو درد رہا ہو　　چہرے کا میرے رنگ ہی زردی سو ہو
مجھے تو حکم ضبط نالہ و فریاد ہوتا ہے　　پر اس بیتاب دل کے حق میں کیا ارشاد ہوتا ہے

نالے ہی سدا بھرتے دل غم سے بھرے ہیں　　اس نزع میں ہم تجھ بن جیتے ہیں نہ مرے ہیں

دوست۔ غلام محمد۔ بہار کے رہنے والے۔ کچھ دنوں مرشد آباد میں بھی مقیم تھے۔ اور وہیں مولف "گلزار ابراہیم" سے ان سے ملاقات ہوئی۔ بقول مولف موصوف عاشق مزاج تھے۔ نمونہ کلام ؎

کافر ہو جس کے دل میں تری آرزو نہ ہو　　کس کام کی زباں کہ تری گفتگو نہ ہو

راغب۔ محمد جعفر خاں۔ نواب لطیف اللہ خاں پانی پتی کے بھتیجے تھے۔ عظیم آباد میں آ کر بہ حالت غربت بسر کرتے تھے۔ زیادہ تر فارسی اشعار سے راغب تھے ؎

راغب کو کوئی ڈھونڈھے کوچے میں ذرا اس کے
وہ سوختہ دل بارے شاید کہ وہاں ہوگا

رستم۔ رستم علی خاں۔ مخاطب بہ احتشام الدولہ عرف نواب بہادر۔ گو یہ عظیم آباد کے نہ تھے۔ مگر ایک عرصہ تک مرشد آباد و عظیم آباد میں رہے۔ نواب سعادت علی خاں کے ہمراہ آئے تھے پھر سنہ ۱۱۹۶ھ میں بنارس چلے گئے ؎

گر یار نے آنے کا وعدہ نہ کیا ہوتا
اب تک دلِ مضطر نے کیا کیا نہ کیا ہوتا

ملا ہی ہمارے عشق کا جو درد سہو ہے
چہرے کا میرے رنگ وہی زرد ہی سو ہے

تجھے تو حکم ضبط نالہ و فریاد ہوتا ہے
پر اس بیتاب دل کے حق میں کیا ارشاد ہوتا ہے

نالے ہی سدا بھر بھر دل غم سے کیے ہیں
دم نزع میں ہم تجھ بن جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

دوست - غلام محمد - بہار کے رہنے والے - کچھ دنوں مرشد آباد میں بھی مقیم تھے - اور وہیں مولف "گلزار ابراہیم" سے ان سے ملاقات ہوئی - بقول مولف موصوف عاشق مزاج تھے - نمونہ کلام ؎

کافر ہو جس کے دل میں تری آرزو نہ ہو
کس کام کی زبان کہ تری گفتگو نہ ہو

راغب - محمد جعفر خاں - نواب لطیف اللہ خاں پانی پتی کے بھتیجے تھے - عظیم آباد میں آکر بہ حالت غربت بسر کرتے تھے - زیادہ تر فارسی اشعار سے راغب تھے ؎

راغب کو کوئی ڈھونڈھے کوچہ میں ذرا اوس کے
وہ سوختہ دل بارے شاید کہ وہاں ہوگا

رستم - رستم علی خاں - مخاطب بہ احتشام الدولہ عرف نواب بہادر - گو یہ عظیم آباد کے نہ تھے - مگر ایک عرصہ تک مرشد آباد و عظیم آباد میں رہے - نواب سعادت علی خاں کے ہمراہ آئے تھے پھر ۱۱۹۶ھ میں بنارس چلے گئے ؎

شریک حال میرا غم ہے میرا
وہی مونس وہی ہمدم ہے میرا

رضا - میر محمد رضا - خلف الرشید میر جمال الدین حسین جمال عظیم آبادی - میر حبیب اللہ کے قرابت مند تھے - اس زمانے میں ان کا شمار نومشقوں میں تھا - میر ضیا کے شاگرد تھے ؎

روتا پھرتا ہے نالے بھرتا ہے
کہہ رضا سچ تو کس پہ مرتا ہے

رفعت - شیخ محمد رفیع - اصل وطن الہ آباد تھا - مگر ایک مدت سے عظیم آباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی - نواب میر قاسم علی خاں عالی جاہ کی سرکار میں بڑے اعتبار کے ساتھ عہدہ عالی پر سرفراز تھے ؎

الٰہی داد میرے قتل کی اٹھا دینا
کہ ہو نہ حشر میں قاتل کو خوں بہا دینا

رند - شاہ حمزہ علی - وارستہ مزاج - خوش رو جوان تھے - ابتدا میں سپاہیوں کے زمرہ میں ملازم تھے - آخر ترک علائق کر کے درویشی اختیار کی - کملی پوش - لنگوٹ بند - برہنہ سر - ننگے پاؤں ایک مدت تک مرشد آباد کی گلیوں میں ادھر اودھر مارے پھرتے تھے پھر ۱۱۹۴ھ میں عظیم آباد چلے آئے - شاہ ارزاں کی درگاہ میں رہتے تھے ؎

ہائے کس کس کے تئیں بیٹھ کے ہم یاد کریں
غم مجنوں کریں یا ماتم فرہاد کریں

قوافی وغیرہ کی شرحیں۔ جملہ ۵۵ کتابیں ان کی تصنیفات سے تھیں چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

کنوں تالیف من پنجاہ و پنج ست   کہ حاصل گشتہ از بسیار رنج ست

یہ سب کتابیں عظیم آباد میں مستند تسلیم کی جاتی تھیں۔ ان کے علاوہ ایک مثنوی اور دو دیوان ردیف وار مرتب تھے۔ ایک میں سعدؔ تخلص ہے اور دوسرے میں غالبؔ۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

اے شدہ شہرہ بخوشروئی و نازک بدنی   لب میگوں تو باشد چو عقیق یمنی

ہرگز از شرم نہ گفتی سخنے با عاشق   غنچہ در باغ خود استی تو بایں کم دہنی

سلیم۔ میر محمد سلیم۔ انہوں نے ایک سانحہ عجیب کے متعلق ریختہ میں ایک مثنوی بھی لکھی تھی۔ نواب علی ابراہیم خاں کے آشنا تھے سنہ ۱۱۹۰ھ میں رحلت کی ؎

دو رفیق اپنے جو تھے عشق میں دونوں بگڑے   نہ دل اب ہاتھ میں ہے دیدہ تر ہاتھ میں ہے

شائق۔ امین الدین۔ متوطن دہلی۔ مقیم عظیم آباد۔ معاصر سوداؔ ؎

مت زخم دل مرے کو کوئی التیام دو   ظالم کو بلکہ زخم دگر کا پیام دو

شاکر۔ میر یحییٰ۔ باشندہ عظیم آباد۔ نمونہ کلام ؎ رباعی

گر آہ مرا اثر نباشد چہ غم ست   ور حال منش خبر نباشد چہ غم ست

شاکر تو ز دوست شکوہ داری فریاد   فریاد رسے اگر نباشد چہ غم ست

شاہ۔ میر شاہ قلی خاں۔ جوان زیبا۔ دہلی سے آئے مرشد آباد میں بہ حال پریشاں وارد تھے۔ نواب سراج الدولہ کی تباہی کے بعد لکھنؤ چلے گئے۔ پھر نواب قاسم علی خاں عالی جاہ کے عہد میں بہ سلسلہ ملازمت عظیم آباد آئے۔ جب نواب مذکور کا شیرازہ بھی درہم برہم ہو گیا تو یہ دکن چلے گئے اور وہیں انتقال کیا ؎

کہا مری آہ گیا صنم کی نگاہ   ایک ترکش کے تیر ہیں باللہ

شرر۔ مرزا ابراہیم۔ عظیم آباد کے قدیم مسلم الثبوت شعرا میں ہیں۔ میر محمد علیم تحقیقؔ کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام ؎

سامعاں کا نہ فقط سننے سے دم رکتا ہے   سرگزشت اپنی جو لکھئے تو قلم رکتا ہے

شورش۔ شاہ آیت اللہ۔ متوطن پھلواری متصل عظیم آباد۔ خلف الصدق و جانشین مولانا شاہ محمد مخدوم سنہ ۱۱۷۳ھ میں اپنے والد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ صاحب دیوان تھے ؎

گردش چشم بتاں گردش جام ست اینجا   غیر ازیں بادہ دگر بادہ حرام ست اینجا

گر بیند ملایک ہمہ بر حالت شورشؔ   گر نیم شبے آہ بہ گردوں رود از دل

میر غلام حسین شورشؔ

شورشؔ تخلص۔ میر غلام حسین نام عرف میر بھینا۔ عظیم آباد کے رہنے والے۔ ملا میر وحید کے بھانجے تھے۔ شاعری میں میر باقر حزیںؔ سے

شاہ - میر شاہ قلی خاں - جوان زیبا - دہلی سے آئے مرشد آباد میں بہ حال پریشان وارد تھے - نواب سراج الدولہ کی تباہی کے بعد لکھنؤ چلے گئے - پھر نواب قاسم علی خاں عالی جاہ کے عہد میں بہ سلسلہ ملازمت عظیم آباد آئے - جب نواب مذکور کا شیرازہ بھی درہم برہم ہوگیا تو یہ دکن چلے گئے اور وہیں انتقال کیا ؎

کیا مری آہ کیا صنم کی نگاہ ایک ترکش کے تیر ہیں باللہ

شرر - مرزا ابراہیم - عظیم آباد کے قدیم مسلم الثبوت شعرا میں ہیں - میر محمد علیم تحقیق کے شاگرد تھے - نمونہ کلام ؎

سامعاں کا نہ فقط سننے سے دم رکتا ہے سرگزشت اپنی جو لکھئے تو قلم رکتا ہے

شورش - شاہ آیت اللہ - متوطن پھلواری متصل عظیم آباد - خلف الصدق و جانشین مولانا شاہ محمد مخدوم ۱۲۳۳ھ اپنے والد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے - صاحب دیوان تھے ؎

گردش چشم بتاں گردش جام ست اینجا غیر ازیں بادہ دگر بادہ حرام ست اینجا

گرنید طلا یک ہمہ بر حالت شورش گر نیم شبے آہ بہ گردوں رود از دل

میر غلام حسین شورش

شورش تخلص - میر غلام حسین نام عرف میر بھینا - عظیم آباد کے رہنے والے - ملا میر وحید کے بھانجے تھے - شاعری میں میر باقر حزیں سے

مشورہ سخن کیا تھا - نواب علی ابراہیم خاں مولف تذکرہ "گلزار ابراہیم" نے لکھا ہے کہ یہ میرے دوستوں میں ہیں - اپنی شاعری کا بہت غرور رکھتے ہیں .... اور انہوں نے جو ایک تذکرہ شعرائے ریختہ کا ریختہ میں لکھا ہے[۱] وہ بھی بہ سبب ان کی خود پسندی کے قباحتوں سے خالی نہ تھا۔[۲]

۱؎ گلزار ابراہیم و گلشن ہند تذکرہ شورش

۲؎ نثر اردو کی تاریخ سے پایا جاتا ہے کہ دکن کی قدیم ترین نثر نویسی سے قطع نظر کرکے قدرتاً عام فہم اردو میں سب سے پہلے فضلی دکنی نے ۱۱۴۵ھ میں ایک کتاب "دہ مجلس" کے نام سے کسی فارسی کتاب سے ترجمہ کی تھی۔ فضلی کی دہ مجلس کی عبارت کا نمونہ تذکرہ "آب حیات" اور "جلوہ خضر" وغیرہ میں موجود ہی اسی لئے اس مقام پر اوس کے اعادہ کی ضرورت نہیں - پھر اس کے بعد احمد شاہ بادشاہ کے حکم سے میر محمد حسین کلیم دہلوی نے (جو میر محمد تقی میر کے بہنوئی تھے) محی الدین ابن عربی کی مشہور کتاب "فصوص الحکم" کا ترجمہ کیا تھا۔ اور اس کے علاوہ ایک رسالہ "عروض قافیہ" میں اور ایک اور کتاب بھی نثر اردو میں لکھی تھی۔ جس کا حسب ذیل فقرہ۔ احمد شاہ بادشاہ کے نابینا کئے جانے کے باب میں میر حسن نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے:-

کل کے دن تھے بادشاہ اور وزیر آج کے دن اندھے ہو بیٹھے بصیر

ایسی دولت سے زنہار زنہار فاعتبروا یا اولی الابصار

گو اس کتاب کا سنہ تالیف معلوم نہیں - لیکن اس امر کو پیش نظر رکھکر کہ احمد شاہ بادشاہ ۱۱۶۱ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور ۱۱۶۷ھ میں قید کرکے کحول کیا گیا۔

تاتار خان کو سمجھتے تھے اور جب اس کو جان کا خطرہ ہوا تو حضرت کیخدمت مین حاضر ہوکر عرض کی کہ لوگ قحط و وبا کی وجہ سے دیوانہ ہو رہے ہیں اور مجھے قتل کی دھمکیاں دی جارہی ہیں آپ نے فرمایا میں خود جاکر ان کو تسلی دونگا ابھی تمہاری سفارت کے جواب کا وقت نہیں آیا مین ان کو مزید ایک یا دو روز کے لئے صبر کے ساتھ انتظار کرنیکی تلقین کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس اثنا میں جواب آجائیگا۔ اگر یہ ہماری حسب خواہش ہوا تو تشویش کی کوئی وجہ نہیں اگر ناموافق ہوا تو اس وقت غور کرکے فوری اور فیصلہ کن تدابیر اختیار کی جائینگی۔

آخر آپ نے بازار میں جاکر اہل شہر کے سامنے ایک تقریر کی لوگ ان کو ولی کامل سمجھتے تھے اور ان کی باتوں کو الہام کی طرح توجہ سے سنتے تھے چنانچہ ان کی نصیحت سُنکر وہ نالہ و بکا ترک کرکے سکون کے ساتھ تاتارخاں کے جواب مین بابر کے فرمان کا انتظار کرنے لگے۔ الغرض بابر کی فوج سے خفیہ راستہ سے سامان رسد اندر بھیجا گیا اہل قلعہ کو سکون خاطر نصیب ہوا اور تاتار خان نے تازہ دم ہوکر دشمن پر شبخون مار کر کچھ غنیمت و رسد حاصل کی باشندگان گوالیر کا عام خیال تھا کہ اگر مغل فوج دشمن کو شکست دیدے تو قلعہ ان کے حوالے کردیا جائے کیونکہ بابر کی حکومت ہردلعزیز تھی اور گرد و نواح کے تمام حکمران اس سے خائف تھے اس کے جنگی کارنامون کا آوازہ قومون کو لرزہ براندام کردیتا تھا اس کی دوستی ایک رحمت تھی اور اس کی دشمنی ایک زحمت۔

الغرض اس عارضی فتح سے تاتار خان کی نیت پھر بدل گئی اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا کہ یا حضرت ہم نے مدد مانگنے میں جلدی کی ورنہ ان دشمنون پر تدبیر صائب سے کامیابی حاصل ہوسکتی ہے آپ نے سمجھایا کہ تم عارضی کامیابی سے

برخود غلط ہو جاتے ہو لیکن یقین کرلو اگر تم احتیاط نہیں کروگے تو ایک لمحہ کی فوری کامیابی وہ کام کرے گی جو ایک چنگاری بارود پر کیا کرتی ہے۔ اب تم کو عہد کے خلاف چلنا مناسب نہیں۔ بددیانتی کسی حالت میں اچھی نہیں ہوتی تم کو سفیر بھیجنے سے قبل ہی اس کا فیصلہ کرلینا تھا اگر تم صرف اپنے آرام و عیش کی خاطر رفاہیت عامہ کا خیال ترک کروگے تو قابل وقعت نہیں رعایا کو بھی اپنی جانیں عزیز ہیں۔ اخلاقاً ان کو خطرہ مین ڈالنے کا تم کو کیا حق ہے تم نے مجھ سے مشورہ طلب کیا اور میں نے صاف دلی سے سمجھا دیا ہے کہ اگر اب کی دفعہ بھی بدعہدی ہوئی تو اس کے نتیجہ کے ذمہ دار تم خود ہوگے تاتار خان اس گفتگو سے رنجیدہ تو ضرور ہوا لیکن خاموش چلا گیا ادھر بابری فوج نے ایک فیصلہ کن جنگ کے بعد محاصرین کو فرار پر مجبور کیا۔ دوسرے دن مغل سردار نے شرائط کی بجاآوری چاہی۔ جس پر تاتار خان نے حیلہ حوالہ کرکے انکار کردیا مغل سردار نے دوبارہ پیام بھیجا کہ ممکن ہے دشمن باہر سے حملہ کردے لہذا فوج کو قلعہ کے قریب اُترنے کی اجازت ہو اور ہمنے حضرت شیخ محمد غوث کے علم و فضل کا بڑا شہرہ سُنا ہے لہذا ان سے ملنے کی اجازت بھی ہو تاتار خان نے دونوں باتیں منظور کرلیں اندر حضرت نے نہایت پُرتکلف دعوت کا سامان کیا۔ قلعہ کے سردار بھی مدعو کئے گئے مغل سردار کے ہمراہ فوج بھی اندر آگئی۔ مغل سردار خود شہنشاہ بابر تھا۔ جب تاتار خان کو یہ معلوم ہوا تو سوا خاموشی کے کیا چارہ تھا لیکن بقول صاحب تاریخ فرشتہ بابر نے سلک امرا مین منسلک کردیا۔ ملخصاً از رسالہ عالمگیر

جنت آشیانی شہنشاہ ہمایوں کو حضرت شیخ محمد غوث اور آپ کے بڑے بھائی حضرت شیخ فریدالدین احمد عرف شیخ بہلول سے بیحد عقیدت تھی۔ حضرت شیخ بہلول حضرت

بھول کر بھی کبھی نہ یاد کیا ہم ترے جی سے ایسے بھول گئے

طپاں ۔ شاہ نور الحق ۔ شاہ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور حضرت تاج العارفین پیر مجیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے ۱۱۵۶ھ میں پیدا ہوئے ۔ ۱۱۷۳ھ میں سجادہ عمادیہ (پھلواری) پر متمکن ہوئے ۔ اوراد و وظائف کے مختلف رسائل کے ماسوا فارسی کے دو کلیات ضخیم آپ کی تصانیف سے ہیں ۔ ایک بیاض ضخیم اردو مراثی کی ہے ۔ کلام اردو کا نمونہ یہ ہے ؎

عقل والوں سے جو سنتا ہے فسانہ تیرا پیٹھ پھیرے ہوئے ہنستا ہے دوانہ تیرا [1]

عاشق ۔ خواجہ علی اعظم خاں خلف خواجہ محمدی خاں (رسالہ دار نواب قاسم علی خاں عالی جاہ) حضرت شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ عرف شاہ گھسیٹا کے مرید اور شاگرد تھے ۔ نواب علی ابراہیم خاں سے بھی ربط تھا ۔ آخر عمر میں ترک دنیا کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی ۔ تقریباً ۱۱۹۰ھ میں انتقال کیا ؎

روز و شب یار سے ملا کیجئے چین اس پر نہ ہو تو کیا کیجئے

---

[1] مولف "یادگار عشق" لکھتے ہیں کہ "اسی مضمون کو حضرت شاد (عظیم آبادی) نے بھی نظم فرمایا ہے ؎

کہتے ہیں اہل ہوش جب افسانہ آپ کا سنتا ہے اور ہنستا ہے دیوانہ آپ کا

مہاراجہ کلیان سنگھ بہادر عاشق

المخاطب بہ انتظام الملک ممتاز الدولہ تہور جنگ ۔ قوم کایستھ سکسینہ ۔ خلف الرشید ممتاز الملک مہاراجہ شتاب رائے بہادر منصور جنگ وطن اصلی دہلی تھا ۔ ان کے والد نے حضرت شاہ عالم بادشاہ سے سند دیوانی حاصل ہونے کے بعد سے عظیم آباد میں اقامت اختیار کی ۔ اور کلکتہ میں سرکار کمپنی بہادر کی طرف سے خطاب مہاراجگی کے ساتھ منصب نظامت صوبہ بہار سے سرفراز ہوئے ۔ اگرچہ یہ بھی اپنے باپ ہی کے مانند مجمع کمالات تھے ۔ لیکن راحت طلب اور عیش پسند ہونے کے باعث اس خدمت جلیلہ پر اون کی جانشینی سے جی چرا کر صہبائے لعل رنگ اور معشوقان شوخ و شنگ کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے ۔ سوائے فکر شعر کے اور کسی دردسر کو مول نہ لیا ۔ جواں سال فرزند کنور دولت سنگھ بہادر تام ان کی حیات ہی میں قضا کر گیا تھا راجہ بھوپ سنگھ اسی کے نواسے تھے ۔

عاشق نے تہتر (۷۳) سال کی عمر میں ۱۲۰۰ھ میں انتقال کیا اور ۳ شوال کو کلکتہ میں لب دریا ان کی خاکستر فنا ہوئی ۔ ایک دیوان اور مثنوی مسمی بہ "زیبا" و "حبیب السیر" اور مدح ائمہ اطہار علیہم السلام میں دس ہزار ابیات یادگار چھوڑے ۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

مہاراجہ کلیان سنگھ بہادر عاشق

المخاطب بہ انتظام الملک ممتاز الدولہ تہور جنگ۔ قوم کایستھ سکسینہ۔ خلف الرشید ممتاز الملک مہاراجہ شتاب رائے بہادر منصور جنگ وطن اصلی دہلی تھا۔ ان کے والد نے حضرت شاہ عالم بادشاہ سے سند دیوانی حاصل ہونے کے بعد سے عظیم آباد میں اقامت اختیار کی۔ اور کلکتہ میں سرکار کمپنی بہادر کی طرف سے خطاب مہاراجگی کے ساتھ منصب نظامت صوبہ بہار سے سرفراز ہوئے۔ اگرچہ یہ بھی اپنے باپ ہی کے مانند مجمع کمالات تھے۔ لیکن راحت طلب اور عیش پسند ہونے کے باعث اس خدمت جلیلہ پر اون کی جانشینی سے جی چراکر صہبائے لعل رنگ اور معشوقان شوخ و شنگ کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ سوائے فکر شعر کے اور کسی دردسر کو مول نہ لیا۔ جواں سال فرزند کنور دولت سنگھ بہادر نام ان کی حیات ہی میں قضا کر گیا تھا راجہ بھوپ سنگھ اسی کے نواسے تھے۔

عاشق نے تہتر سال کی عمر میں ۱۲۳۶ھ میں انتقال کیا اور ۳ شوال کو کلکتہ میں لب دریا ان کی خاکستر فنا ہوئی۔ ایک دیوان اور مثنوی مسمی بہ "زیبا" و "حبیب السیر" اور مدح ائمہ اطہار علیہم السلام میں دس ہزار ابیات یادگار چھوڑے۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

نالاں ز غم فرقت مہ پارۂ خویشیم   آوارۂ دشت از دل آوارۂ خویشیم
با حسن پری زاد ندارم سروکارے   در آئینہ مشغول بہ نظارۂ خویشیم
ساقی نبود حاجت من با مے ناب   بیخود ز نگاہ بت میخوارۂ خویشیم

بچایا ہے جگر نے حشر کا سا شور پہلو میں   مگر دیکھا ہے یہ حال دل رنجور پہلو میں

عاصی۔ محمد علی خاں۔ خلف نواب ہدایت اللہ خاں دہلوی نبیرۂ عزت الدولہ شیر افگن خاں۔ ترک وطن کر کے عظیم آباد میں اقامت اختیار کی تھی۔ کتاب موسوم بہ "تالیف محمدی" جس میں ابتدائے خلقت سے جلوس شاہ عالم بادشاہ کے زمانے تک کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ ان کی تالیف سے تین جلدوں میں ہے۔ ؎

باز در عشق بتے دل شدہ شیدا چہ کنم   کار با سنگ دل افتاد خدایا چہ کنم

عزیز۔ عزیز اللہ۔ خلف ملا مبارک۔ جو نواب زیب النساء بیگم کے آخوند تھے۔ عظیم آباد میں قیام تھا۔ علم منطق میں بہت مہارت حاصل تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

ساقی خوش چشم ما را مونس مجلس کنید   از نگاہش بزم را گلدستۂ نرگس کنید

خورشید طشت آتش و خاکستر ست صبح
گردوں تمام سوختہ ایں برق آہ کیست

اور مرزا علی لطف وغیرہ اکثر تذکرہ نویس اس امر کے متعلق متفق ہیں کہ حضرت عشق موصوف "ایام شباب میں شاہجہاں آباد سے

(نوٹ بقیہ صفحہ ۳۲) علی ابراہیم خاں کے شناسا اور نواب قاسم علی خاں کے متوسلین میں تھے۔ اس لئے اس زمانے کے کچھ تاریخی حالات اس مقام پر بیان کردینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ ناظم بنگالہ نواب علی وردی خاں مہابت جنگ نے سنہ ۱۷۵۶ء مطابق سنہ ۱۱۶۹ھ میں انتقال کیا۔ اور ان کے نوجوان نواسے مرزا محمود عرف نواب سراج الدولہ مسند نظامت پر متمکن ہوئے۔ مگر تھوڑے ہی دنوں میں ان کے قرابت مند نواب میر جعفر علی خاں کی سازباز سے سراج الدولہ نے ۲۳ جون ۱۷۵۷ء کو پلاسی کے میدان میں انگریزوں سے شکست کھائی۔ اور بعد کو مارے گئے۔ جس کی تفصیل تواریخ میں موجود ہے۔ اس زمانے میں انگریز "ایسٹ انڈیا کمپنی" قائم کرکے ملک میں تجارتی کاروبار رکھتے تھے۔ پلاسی کی اس فتح سے ہندوستان میں برٹش سلطنت کی بنیاد پڑی۔

فی الجملہ اس فتح کے بعد ۲۵ جون ۱۷۵۷ء کو انگریزوں کی مدد سے میر جعفر ناظم بنگالہ مقرر ہوئے۔ اسی زمانے میں کچھ دنوں کے بعد شاہ عالم بادشاہ نے بنگالہ کی تسخیر کے ارادہ سے صوبہ بہار پر حملے شروع کردیے تھے اور عظیم آباد کا محاصرہ کیا تھا۔ شاہ عالم کی مدد کو خادم حسین حاکم پورنیہ چھ سات ہزار فوج

مرشدآباد آئے۔ اور خواجہ محمدی خاں کے ساتھ ایک مدت تک ایام حیات بعزت تمام بسر لائے" اس لئے "تذکرہ یادگار عشق" میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳) لیکر گنگا کے کنارے کنارے پٹنہ کے سامنے حاجی پور تک پہونچ گیا تھا۔ چنانچہ میر جعفر خاں کے بیٹے صادق علی خاں عرف میرن اور راجہ شتاب رائے فوج لیکر اوس کی مدافعت کو روانہ ہوئے۔ بارش کا موسم تھا۔ رات کو موسلا دھار پانی برس رہا تھا۔ میرن اپنے خیمہ میں چارپائی پر لیٹا ہوا۔ خدمتگار پاؤں چپی کر رہا تھا اور داستان گو کہانی کہہ رہا تھا کہ دفعتہً اوس خیمہ پر بجلی گری۔ اور یہ تینوں اوسی جگہ ٹھنڈے ہو کر رہ گئے۔ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی دیر کے بعد جب پہرہ بدلا اور دوسرا خدمتگار آیا تو اوس نے ان تینوں کو مردہ پاکر چند خاص لوگوں کو اطلاع دی۔ دیکھا گیا تو میرن کے سر میں کئی جگہ سوراخ ہو گئے تھے۔ بہرحال انگریزوں نے ہوشیاری سے میرن کی موت کو فوج کے لوگوں سے چھپا رکھا۔ اور ایک ہاتھی پر میرن کی لاش کو رکھکر مرشدآباد روانہ کردیا۔ میرن کے ظلموں کی داستان "سیر المتاخرین" کی جلد دوم صفحہ ۶۸۹ میں بالتفصیل مذکور ہے۔ اس مقام پر اوس کے اعادہ کی گنجائش نہیں۔

میرن پر بجلی گرنے کے بعد۔ نواب میر قاسم علی خاں کو جو میر جعفر خاں کے داماد تھے۔ ناظم بنگالہ ہونے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ میر جعفر کی بدنظمیوں سے فوج کی تنخواہیں مہینوں سے باقی چلی آتی تھیں۔ میر قاسم علی خاں نے تین لاکھ روپئے

جو حضرت عشقؔ کی عمر سو برس قرار دیکر ان کا سال ولادت ۱۱۰۳ھ متعین کیا گیا ہے وہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہو جاتا ہے - کیونکہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴) اپنے پاس سے دیگر سب کی تنخواہیں ادا کر دیں۔ اور کلکتہ جا کر انگریزوں کو اپنا طرفدار بنایا - بالآخر یہ طے پایا کہ میر جعفر کو اتار کر میر قاسم علی خاں مسند نظامت پر متمکن ہوں۔ چنانچہ میر قاسم کلکتہ سے مرشد آباد کو روانہ ہوئے تو اپنے وزیر علی ابراہیم خاں کو لکھ بھیجا کہ فوج تیار رکھے - وزیر موصوف نے اپنی سلیقہ شعاری اور کارگذاری سے اُمید سے بڑھکر بند و بست کیا - میر جعفر معزول اور میر قاسم علی خاں ناظم بنگالہ ہوئے - بادشاہ کی طرف سے بھی "عالی جاہ" کا خطاب عطا ہوا - یہ سنہ ۱۷۶۰ء کا واقعہ ہے -

میر قاسم نے ابتدا میں بہت بیدار مغزی سے کام لیا - اور راسی کے ساتھ علی وردی خاں اور میر جعفر وغیرہ کی تمام محلات کے لاکھوں روپیے کے زیورات و جواہرات بھی اپنے قبضہ میں کر لئے - مگر تھوڑے ہی دنوں میں ان کی انگریزوں سے بگڑی - میر جعفر کو آسانی کے ساتھ معزول کر دینے میں انگریزوں کو اپنی طاقت کی آزمائش ہو چکی تھی - انہوں نے پھر میر جعفر کو مسند نظامت پر متمکن کیا - نوبت بہ جنگ پہونچی - میر قاسم نے مونگیر کو اپنا دار السلطنت قرار دیا تھا - جب انگریزی فوجیں مرشد آباد سے مونگیر کی طرف روانہ ہوئیں تو میر قاسم نے مونگیر سے بھاگتے وقت اپنے تمام قیدیوں کو جن میں اوس کے بعض عزیز اور

میر قاسم علی خاں کی فوج میں ان کی ملازمت ۱۱۷۴ھ (یعنی میر قاسم علی خاں کے سال مسند نشینی) سے پیشتر واقع نہیں ہو سکتی اور اگر ۱۱۰۳ھ سال ولادت صحیح سمجھا جائے تو اس حساب سے ان کا سن اسوقت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۵) نامور شرفا تھے سب کو قتل کر دیا - اور راجہ رام نرائن کے گلے میں مٹکا ریت سے بھر کر لٹکایا اور گنگا میں ڈبوایا - اس کے بعد پٹنہ آئے اور یہاں دو سو انگریزوں کو جو اون کی قید میں تھے سب کو قتل کر دیا - یہ ۳ر اکتوبر ۱۷۶۳ء کا واقعہ ہے -

اس کے فوراً ہی بعد ۶ر نومبر ۱۷۶۳ء کو انگریزی فوج نے پٹنہ پہونچکر میر قاسم کو شکست دی - اس شکست کے ساتھ ہی میر قاسم کے اقبال کا خاتمہ ہو گیا - یہاں سے بھاگتے ہوئے جب میر قاسم صوبہ بہار کی آخری سرحد کرم ناسہ ندی کے پار ہوئے اوس وقت شاہ عالم بادشاہ اور نواب شجاع الدولہ صوبہ دار اودھ الہ آباد میں تھے - شجاع الدولہ بہت منچلے واقع ہوئے تھے - میر قاسم سے خط و کتابت پہلے سے ہو رہی تھی - بالآخر اس شرط پر کہ آج کی تاریخ سے گیارہ لاکھ روپیہ ماہوار میر قاسم بطور خرچہ جنگ دینا منظور کریں - شجاع الدولہ نے شاہ عالم اور میر قاسم کو ساتھ لیکر پھر صوبہ بہار پر حملہ کرنے کی ٹھانی - ۱۳ر جون ۱۷۶۴ء کو پٹنہ کے قریب انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا - جس میں شجاع الدولہ کو شکست ہوئی - اس شکست کے بعد شجاع الدولہ نے بکسر میں پھر حملہ کی

یعنی ۱۱۷۴ھ میں اکہتر سال قرار پاتا ہے۔ پس یہ امر کسقدر خلاف قیاس ہے کہ ایک ستر بہتر برس کے بوڑھے کو جس نے عمر بھر میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۶) تیاریاں شروع کیں۔ اور برسات نکل جانے کے بعد ۲۲ اکتوبر ۱۷۶۴ء کو دوبارہ بکسر میں جنگ ہوئی۔ جس میں پھر شجاع الدولہ کو شکست ہوئی۔ اس جنگ میں شجاع الدولہ نے ہوشیاری اور پیش بندی سے عقب میں ندی کا پل توڑ دیا تھا۔ جس سے میر قاسم کا خزانہ اور دو تین کرور کی قیمت کے جواہرات اور زیورات لُٹ جانے سے بچا لیا۔

فی الجملہ اس شکست کے بعد شجاع الدولہ نے گیارہ لاکھ روپئے ماہوار کے حساب سے خرچہ جنگ کا میر قاسم علی خاں سے مطالبہ شروع کیا۔ جس کے جواب میں ان کے وزیر علی ابراہیم خاں نے نواب موصوف سے استدعا کی کہ میر قاسم کو مرشد آباد جا کر روپئے وصول کرنے کی اجازت دی جائے۔ مگر یہ درخواست نامنظور ہوئی۔ پھر شجاع الدولہ نے بادشاہ کی طرف سے نظامت بنگالہ کے خراج کے بقایا کا تقاضا شروع کیا۔ پھر علی ابراہیم خاں اس گفتگو کے لئے بھیجے گئے کہ اب مجھے مقدور نہیں ہے قصہ مختصر یہ رنگ دیکھکر علی ابراہیم خاں نے میر قاسم کو صلاح دی کہ یا تو زر مطلوبہ ادا کیا جائے یا درویشی کا سوانگ بھرا جائے۔ روپیہ دینا تو مشکل تھا۔ بالآخر علی ابراہیم خاں کی صلاح سے میر قاسم اور کل ملازموں نے گیروے کپڑے پہنکر فقیرانہ وضع اختیار کی۔ تو خود نواب وزیر میر قاسم کے پاس آئے اور سمجھا کر لباس

کبھی فوجی خدمت نہ کی ہو۔ اور نہ اوس کے آبا و اجداد نے اوس کو اوس کے لائق کوئی خدمت نہ دیکر۔ سپاہیوں کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷) درویشی اُتروایا۔ اس کے بعد شجاع الدولہ کے لشکر نے میر قاسم کے خیموں کا محاصرہ کر لیا۔ اور میر قاسم کو ایک ہاتھی پر بٹھا کر کسی جائے معہود میں قید کر دیا۔ اور کل جواہرات اور زیورات وغیرہ کروروں روپئے کے اپنے قبضے میں کر لئے۔ تاہم میر قاسم نے پہلے سے کچھ جواہرات قیمتی اُڑا کر روہیل کھنڈ کی طرف بھیج دیئے تھے۔ جو شجاع الدولہ کی دست برد سے محفوظ رہے۔ یہ ۱۷۶۴-۶۵ء کے واقعات ہیں۔

انگریزوں نے اس فتح کے بعد ہر چند چاہا کہ میر قاسم کو اون کے حوالے کر دیا جائے مگر شجاع الدولہ نے اس شرط کو کسی طرح منظور نہ کیا۔ اور اس کے بعد میر قاسم کسی طرح شجاع الدولہ کی قید سے نکل کر کسی اور جگہ پناہ گزیں ہو گیا۔ اور ادھر اودھر مارے پھرنے کے بعد۔ بہ حالت غربت و عسرت اس دنیا سے انتقال کیا۔ اسباب میں ایک پرانی شال رہ گئی تھی جس کو بیچکر اس کی تجہیز و تکفین کی گئی۔ مگر علی ابراہیم خاں کے تعلقات اور آمد و رفت عظیم آباد اور مرشد آباد میں بدستور جاری رہی۔ حتیٰ کہ لارڈ ہسٹنگ گورنر جنرل نے ان کو عدالت دیوانی ضلع بنارس کا حاکم اعلیٰ مقرر کر دیا اور لارڈ کارنوالس کے عہد میں یہ وہاں کے گورنر بھی رہے۔

اس قیام بنارس کے زمانے میں یہ سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو کر تالیف و

زمرہ میں نوکر رکھا جائے۔ اور ایک ہزار سوار کی افسری کے ساتھ فوجی خدمت پر مامور کیا جائے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۸) تصنیف میں مصروف ہوئے۔ ان کی ادبی و تاریخی تالیفات حسب ذیل ہیں :-

۱۔ "گلزار ابراہیم" شعرائے ریختہ کا تذکرہ ہے۔ اس کی تالیف ۱۱۸۳ھ سے شروع ہوئی اور ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۴ء میں اس کی تسوید سے فراغت ہوئی۔

۲۔ "صحف ابراہیم" شعرائے فارسی کا تذکرہ ہے۔ ۱۲۰۵ھ میں مرتب ہوا جیسا کہ اس تاریخ سے ظاہر ہے ؎

چو تاریخ اتمام جستم ز ہاتف   بگفتا بگو "نفع بخش زمانہ"
۱۲۰۵ھ

۳۔ "خلاصۃ الکلام" اون فارسی شعرا کا تذکرہ جنہوں نے مثنویاں لکھی ہیں

۴۔ "وقائع جنگ مرہٹہ" لارڈ کارنوالس کے عہد میں ۱۲۰۱ھ میں لکھا گیا۔ اس میں ۱۱۷۱ھ سے ۱۱۹۹ھ تک کے حالات ہیں۔

۵۔ ایک رسالہ میں راجہ چیت سنگھ والی بنارس کی بغاوت کے حالات لکھے ہیں۔ اس میں مصنف نے اپنے کو "یکے از خیر خواہاں کمپنی انگریزیہ" لکھا ہے۔

۶۔ "خطوط" جو برٹش میوزیم کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ اور جن سے اوس زمانے کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

علی ابراہیم خاں موصوف ابن خواجہ عبدالحکیم نے ۱۲۰۸ھ میں انتقال کیا۔

راقم الحروف کے نزدیک صحیح بات وہی ہے جو مرزا علی لطف نے "گلشن ہند" میں صاف طور پہ لکھ دی ہے کہ :-

"خواجہ محمدی خاں مرحوم کے ساتھ ایک مدت تک لباس"
"دنیا داری میں ایام حیات بعزت تمام بسر لائے۔ اگرچہ"
"نہ کچھ خدمت نہ کام رکھتے تھے۔ لیکن آنکھوں میں امرایات"
"مرشد آباد کے نہایت احترام رکھتے تھے۔"

مصحفی نے بھی اپنے تذکرہ میں یہی لکھا ہے کہ "بہت عزت اور حرمت کے ساتھ بسر کرتے ہیں" اور تذکرہ میر حسن میں "نوکری پیشہ" لکھا ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سپاہیوں کے زمرہ میں نوکر تھے۔ یہ ممکن ہے کہ ایام شباب میں وضع و قطع سپاہیانہ رکھتے ہوں۔ چنانچہ مولانا شاہ محمد کبیر صاحب ابو العلائی دانا پوری بھی تاریخ تذکرۃ الکرام میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۹) خلیل تخلص کرتے تھے۔ ان کا اردو کلام اب نایاب ہے۔ یہ چار شعر بہت تلاش سے دستیاب ہوئے جو ہدیہ ناظرین ہیں ؎

خلش رکھتا ہے جب سے دل مرا چوں خار پہلو میں   ہوا رکھتا ہے اس دشمن کا کیا دشوار پہلو میں
دل پر درد ہو جس کا اسے آرام کیا ہووے   یہ سچ ہے کیونکہ سوئے جس کے ہو بیمار پہلو میں
لہو رونے سے میرے تر ہوا جیب و کنار آخر   خلیل آنکھوں کے ہاتھوں ہو گیا گلزار پہلو میں

اڑ گئے کچھ حواس سے میرے   اٹھ گیا کون پاس سے میرے

یوں فرماتے ہیں:۔

"آپ (حضرت عشق موصوف) ابتدا میں نوکری پیشہ"

"بہ وضع سپاہیوں کے تھے"

فی الجملہ ایک مدت تک خواجہ محمدی خاں کی رفاقت میں بسر کرنے کے بعد عشق موصوف اپنے بزرگوں کی روش کے مطابق فقر و درویشی کی طرف مائل ہوئے۔ اور ترک ملازمت کے ساتھ فضل الٰہی پر تکیہ کرکے عظیم آباد چلے آئے۔ اور حضرت مخدوم منعم پاک رح (جن کا مزار محلہ میتن گھاٹ میں ہے) کی خدمت سے مستفیض ہو کر بقیہ عمر یاد الٰہی اور خدمت خلق میں بسر کردی۔ ۱۲۰۳ھ میں اس جہان فانی سے رحلت کی۔ حسب روایت تذکرۃ الصالحین و رسالہ معارف پھلواری ۶۶ سال کی عمر پائی۔ اگرچہ مختلف روایات کی موجودگی میں صحیح عمر کا متعین کرنا اسقدر آسان نہیں ہے۔ تاہم اس کے تسلیم کرنے میں قباحت لازم نہیں آتی۔ آپ کے شاگرد رشید مرزا فدوی نے یہ تاریخ کہی ہے

شور واویلا فتاد اندر جہاں — چو اجل آمد سر بالین عشق
گفت فدوی سال تاریخ وفات — ہادی ما شاہ رکن الدین عشق
۱۲۰۳

کسی مستند تذکرہ میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ ٹھیک کس سنہ میں

حضرت عشق نے ترک ملازمت اختیار کی اور عظیم آباد میں آکر طرح اقامت ڈالی اور فقر تصوف کا سجادہ قائم کیا۔ لیکن نواب قاسم علی خاں عالی جاہ کی مسند نشینی یعنی ۱۱۷۴ھ کو پیش نظر رکھکر اگر خواجہ محمدی خاں کی رفاقت میں ان کی مدت ملازمت تقریباً چند سال بھی قرار دی جائے تو یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ ۱۱۷۴ھ یا اس سے چند سال بعد حضرت عشق عظیم آباد میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ غرض کسی طرح یہ واقعہ ۱۱۷۴ھ سے پہلے کا نہیں ہو سکتا۔

لیکن تذکرہ "یادگار عشق" میں (جس کو ہمارے ایک مخلص ثاقب عظیم آبادی نے حضرت عشق کے حالات کے متعلق حال میں شائع کیا ہے) "کیفیت العارفین" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۱۱۶۲ھ کا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً ناممکن ہے۔ کیونکہ حضرت عشق کا عظیم آباد میں آنا نواب قاسم علی خاں کی ملازمت سے کنارہ کش ہو جانے کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ نواب قاسم علی خاں کا عہد نظامت اس کے بارہ برس کے بعد ۱۱۷۴ھ سے شروع ہوتا ہے۔ اور ترک ملازمت کا واقعہ لامحالہ اس کے بعد کا ہے۔ اور عظیم آباد میں آنا اس ترک ملازمت کے بعد ہے۔ ۱۱۶۲ھ میں نواب علی وردی خاں مہابت جنگ کا دور حکومت تھا۔ اس وقت

میر قاسم تو در کنار۔ ان کے پیش رو میر جعفر اور نواب سراج الدولہ بھی میدان میں نہ آئے تھے۔

اسی طرح اس کتاب میں دوسرے مقام پر مرزا فدوی کی نسبت جو احمد شاہ بادشاہ دہلی کے وقائع نویس اور حضرت عشق کے مرید اور شاگرد رشید تھے۔ یہ لکھا ہے کہ "یہ بھی مرشد آباد سے حضرت عشق کے ساتھ سنہ ۱۱۶۲ھ میں عظیم آباد آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے"۔ حالانکہ اس وقت تک مرزا فدوی کا دلی سے مرشد آباد آنا بھی کسی تذکرہ سے مستند طور پر ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر مرزا فدوی احمد شاہ بادشاہ کی وقائع نویسی پر مامور تھے جیسا کہ تذکرہ "گلشن بے خار" وغیرہ میں مذکور ہے۔ تو اس وقت (سنہ ۱۱۶۲ھ میں) محمد شاہ بادشاہ کے انتقال اور احمد شاہ کے جلوس کو صرف چند ماہ گذرے تھے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ احمد شاہ کی تخت نشینی کے کتنے دنوں کے بعد یہ اس خدمت پر مامور ہوئے۔ اور کتنے دنوں تک ملازمت میں رہے اور کتنے دنوں کے بعد دلی سے مرشد آباد آئے۔

فی الجملہ اس مقام پر مولف "یادگار عشق" جو اس قدر خلوص رکھتے ہیں کوئی اعتراض کرنا مقصود نہیں ہے اور نہ یہ مقصد ہے کہ اون کی یہ تالیف بالکل غیر مستند روایات پر مبنی ہے۔ بلکہ فقیر کے

علم میں مولف موصوف نے جہاں تک ممکن تھا تحقیق و تفتیش میں سعی بلیغ سے کام لیا ہے۔ اور مختلف تذکروں سے استناد کی کوشش کی ہے۔ اور جو لکھا ہے اوس کی سند بھی بیان کر دی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعض قدیم تذکرہ نویس موجودہ زمانے کے فن تحقیق و تدقیق سے جس کو انگریزی میں "ریسرچ" کہتے ہیں۔ عموماً نابلد اور بے پروا نظر آتے ہیں۔ انھوں نے جو روایت پائی اپنی خوش اعتقادی میں بلا تحقیق درج کر دی چھان بین اور ردّ و قدح کرنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن ایک مستند مورخ اور تذکرہ نویس کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر روایت کو تاریخی اسناد اور دیگر متعلقہ واقعات سے مطابق کر کے دیکھے۔ اور غیر مستند اور بے بنیاد روایات و حکایات کا مشکوک یا خلاف واقعہ ہونا ظاہر کر دے۔ تاکہ ارباب نظر کے نزدیک خود غیر معتبر نہ ٹھہرے۔

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ حضرت عشق موصوف کے عظیم آباد آنے اور اقامت گزیں ہونے کے متعلق صحیح طور پر صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ سنہ ۱۱۶۴ھ یا اس کے بعد کا ہے۔ اور اس طرح کم و بیش تقریباً پچیس چھبیس سال تک اس دیار میں آپ کا فیض سخن اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس عالم میں بھی عظیم آباد۔ مرشد آباد اور ڈھاکہ وغیرہ سے طالبان راہ عشق پروانوں کی طرح اس شمع کے

گرد جمع ہونے لگے۔ بقول مولف "گلزار ابراہیم"

"معتقدین کے ہجوم سے عالم درویشی میں شاہی کی"

بعض معتقدین نے بعد کو کچھ جائدادیں بھی تقریبات عرس وغیرہ کے لئے وقف کی تھیں۔ اور آپ کا تکیہ اس وقت تک مرجع خلائق ہے

دیوان آپ کا زبان ریختہ میں مرتب ہے۔ بقول مولوی کریم الدین مولف تذکرہ "طبقات الشعرا" آپ کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ پیرس میں "گارسن دی تاسی"[1] کے پاس موجود تھا۔ ایک قلمی نسخہ آپ کی خانقاہ تکیہ حضرت عشقؔ میں بھی موجود ہے۔ اور خانقاہ پھلواری کے

[1] "گارسن دی تاسی" ملک فرانس کا رہنے والا ایک مشہور مستشرق اور زبان داں گذرا ہے۔ اس نے فرنچ زبان میں شعرائے اردو کا ایک ضخیم تذکرہ دو جلدوں میں لکھا ہے۔ جس کا نام "تاریخ ہندی و ہندوستانی لٹریچر" ہے مسٹر اف فیلن صاحب انسپکٹر تعلیمات عامہ صوبہ بہار نے مولوی کریم الدین کو اس کتاب کا مسٹر دیا تھا جس کی مدد سے انہوں نے ایک تذکرہ "طبقات الشعرا" مرتب کیا جو ۱۸۴۸ء میں دلی میں چھپا۔

"دی تاسی" نے اپنے تذکرہ کے مقدمہ میں تقریباً ان تمام تذکروں کی فہرست دی ہے جو ہندوستان میں اس کے پیشتر لکھے جا چکے تھے۔ مولوی محفوظ الحق صاحب بی۔ اے نے اس مقدمہ کا ترجمہ کیا ہے جس کا اقتباس ستمبر ۱۹۲۲ء کے رسالہ معارف میں شائع ہوا تھا۔

کتب خانے میں بھی اس کا ایک نسخہ ہے۔

دیوان ریختہ کے علاوہ جو تقریباً آٹھ سو غزلوں پچھتر رباعیوں مثنویوں اور تضمینوں پر مشتمل ہے۔ تصوف میں چند قلمی رسالے موسوم بہ "امواج البحار" "سلطان العشق" اور "تعلیم الخلفاء" وغیرہ بھی ان کی تصانیف سے ہیں۔

زمانہ کے اعتبار سے آپ۔ مرزا مظہر جانِ جاناں۔ خواجہ میر دردؔ اور میر تقی میرؔ کے ہم عصر اور اکثر غزلوں میں ہم طرح بھی ہیں۔ شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے۔ حضرت شادؔ عظیم آبادی نے "تاریخ صوبہ بہار" اور پھر مکرر "حیات فریاد" میں جو ایک بے بنیاد بات یہ لکھدی ہے کہ حضرت عشقؔ کو راسخؔ عظیم آبادی سے تلمذ تھا۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور یہ امر قطعاً نا ممکن بھی ہے۔ راسخؔ عظیم آبادی سنہ ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور ان کے سن شعور سے پیشتر حضرت عشقؔ بجائے خود کہنہ مشق صاحب دیوان صاحب تلامذہ اور مسلم الثبوت اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ جیسا کہ تذکرہ مصحفی و میر حسن وغیرہ اس کے شاہد ہیں۔ لیکن اس بحث کو اب زیادہ طول دینا چنداں ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ مولف "یادگار عشق" نے راسخؔ کی شاگردی کے متعلق بہت واضح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ یہ امر قطعاً غلط اور نا ممکن ہے۔ بغرض یہ ایک ایسی غلط بات ہے کہ اس کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔

کتب خانے میں بھی اس کا ایک نسخہ ہے۔

دیوان ریختہ کے علاوہ جو تقریباً آٹھ سو غزلوں چھپتر رباعیوں مثنویوں اور تضمینوں پر مشتمل ہے۔ تصوف میں چند قلمی رسالے موسوم بہ "امواج البحار" "سلطان العشق" اور "تعلیم الخلفاء" وغیرہ بھی ان کی تصانیف سے ہیں۔

زمانہ کے اعتبار سے آپ۔ مرزا مظہر جانِ جاناں۔ خواجہ میر درد اور میر تقی میر کے ہم عصر اور اکثر غزلوں میں ہم طرح بھی ہیں۔ شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے۔ حضرت شاد عظیم آبادی نے "تاریخ صوبہ بہار" اور پھر مکرر "حیات فریاد" میں جو ایک بے بنیاد بات یہ لکھدی ہے کہ حضرت عشق کو راسخ عظیم آبادی سے تلمذ تھا۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور یہ امر قطعاً ناممکن بھی ہے۔ راسخ عظیم آبادی سنہ ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور ان کے سن شعور سے پیشتر حضرت عشق بجائے خود کہنہ مشق صاحب دیوان صاحب تلامذہ اور مسلم الثبوت اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ جیسا کہ تذکرہ مصحفی و میر حسن وغیرہ اس کے شاہد ہیں۔ لیکن اس بحث کو اب زیادہ طول دینا چنداں ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ مولف "یادگار عشق" نے راسخ کی شاگردی کے متعلق بہت واضح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ یہ امر قطعاً غلط اور ناممکن ہے۔ بغرض یہ ایک ایسی غلط بات ہے کہ اس کی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی۔

بہر حال اب نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

بیٹھا ہوں یار آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے
جوں تا بداں میں شیشۂ رنگیں بھرے ہوئے

اوروں کا جگر یار جو تیروں سے سئے ہے
یہ عاشق جاں باختہ کس دن کے لئے ہے

عرش تا فرش سیر کر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

تجھ سے کوئی آشنا نہ ہوا ہو
پر تجھے سب سے آشنا دیکھا

بے وفائی تیری دل دیکھ کے اے وعدہ خلاف
عشق بازی میں پشیماں نہ ہوا تھا سو ہوا

تا جان نہ ہوئی عدول حکمی
تو نے کہا مر تو مر گئے ہم

آگے میاں نصیب ہے سر سبز ہو نہ ہو
دل کی زمیں میں تخم محبت تو بو دیا

چین ہی اس دل بیتاب کا منظور نہ تھا
ورنہ آنا ترا مجھ پاس تو کچھ دور نہ تھا

جب تلک اشک تھمیں بیٹھ اگر آیا ہے
تیری صورت نہیں آتی ہے نظر رونے میں

کہہ بعد قتل مجکو کس طرح چین آوے
جو حسرتیں تھیں دل میں سب جوں کی توں ہیں ہیں

روز و شب تجھ سے گو ملا کیجئے
چین پھر بھی نہ ہو تو کیا کیجئے

مہربانی کرو تو عیب نہیں
کام تو اب پیام سے گذرا

بجلی پڑے خدا کرے آئینہ ساز پر
منہ دیکھ اپنا ہم سے وہ بیزار ہو گیا

جس طرف عشق باز آتے ہیں
پھر اودھر سے نہ باز آتے ہیں

آنکھیں پتھرا گئیں ہیں آئینہ وار
کیا لکھوں انتظار کی صورت

زلف نے جسکے تئیں دکھائی شام
پھر اوسے دوسری نہ آئی شام

داغ دل کا تو کبھی ہم سے مٹایا نہ گیا
یہ دیا وہ ہے جو دن کو بھی بجھایا نہ گیا

باطن ہو کر بقیہ عمر یادِ الٰہی اور گوشہ عزلت میں بسر کر دی ۱۲۱۰ھ میں انتقال کیا۔

تذکرہ "میر حسن" و "گلشن بے خار" بھی ان کے شیریں کلام اور صاحب دل ہونے کے وصف میں رطب اللسان ہیں۔ نواب علی ابراہیم خاں نے بھی اپنا آشنا بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اپنے اشعار تذکرہ میں درج کرنے کے لئے بھیجے ہیں

دیوان ان کا زبان ریختہ میں مرتب ہے۔ مگر اب بہت کم یاب بلکہ نایاب ہے۔ مولوی سید ضمیر الحسن صاحب رئیس موضع گیلانی مضافات بہار کے کتب خانے میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ اب ان کے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

دل تڑپتا ہے صبح و شام پڑا　　یا الٰہی یہ کس سے کام پڑا
ناتوانی مدد کرے اپنی　　تیرے در پر رہوں مدام پڑا

کیوں کی ادھر نگاہ جو وہ تجکو پا گیا　　دل پر ہوئی جو ہونی تھی آنکھوں کا کیا گیا

بے خودی اور شرم سے باتوں کا کس میں ہوش تھا
وہ ادھر خاموش تھا کل میں ادھر خاموش تھا

ہر طرح ہم اوس کے ہیں دل و جاں سے فدوی　　وہ خواہ ہمیں یاد کرے خواہ فراموش
وہ ہم پہ مہرباں کبھی ہو کبھی نہیں　　جینے کا اب گمان کبھی ہے کبھی نہیں

پھرتے تھے تم تو آنکھ بچائے چھپے چھپے　　نکلا کدھر یہ چاند جو آئے چھپے چھپے
تری ہم نے تاثیر بس آہ دیکھی　　نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی
غلط ہے دیدۂ تر سے جو ہمچشمی کرے شبنم　　مرا رونا اگر دیکھے ابھی پانی بھرے شبنم
چل ساتھ کہ حسرت دلِ مرحوم سے نکلے　　عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

دوسرا مصرع اکثر موقعوں پر آج تک زبان زد خاص و عام ہے

فراق ۔ مرتضیٰ قلی خاں دلّی کے قدیم اساتذہ میں ہیں۔ عہد محمد شاہی میں ملازم توپ خانہ تھے۔ نواب محمد علی وردی خاں مہابت جنگ کے زمانے میں مرشد آباد آ کر عہدہ عالی پر ممتاز ہوئے۔ اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ آخر باقی زر سرکار کے محاسبہ میں گرفتار ہو کر عظیم آباد میں مہاراجہ شتاب رائے کی قید میں ڈالے گئے۔ ہنوز اس قید سے چھوٹنے نہ پائے تھے کہ قید حیات ہی سے رہائی حاصل ہو گئی۔ سودا کے معاصر تھے ؎

اسیروں کی قسم تجکو صبا سچ کہہ کہ گلشن میں　　کوئی ان ہمنواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہے

لالہ رام چند فرحت

مستوطن عظیم آباد۔ محلہ عالم گنج۔ فارسی کے نہایت پرگو اور باکمال شاعر تھے۔ مشہور قصہ حاتم طائی کو فارسی میں نظم کیا تھا۔ جسکی دو جلدیں ہیں۔ اور دونوں میں حمد و نعت کو صنعت ذوالبحرین میں

پھرتے تھے تم تو آنکھ بچائے چھپے چھپے — نکلا کدھر ہو چاند جو آئے چھپے چھپے

تری ہم نے تاثیر بس آہ دیکھی — نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی

غلط ہو دیدۂ تر سے جو ہم چشمی کرے شبنم — مرا رونا اگر دیکھے ابھی پانی بھرے شبنم

چل ساتھ کہ حسرت دل مرحوم سے نکلے — عاشق کا جنازہ ہو ذرا دھوم سے نکلے

دوسرا مصرع اکثر موقعوں پر آج تک زبان زد خاص و عام ہو

فراق - مرتضیٰ قلی خاں دلّی کے قدیم اساتذہ میں ہیں۔ عہد محمد شاہی میں ملازم توپ خانہ تھے۔ نواب محمد علی وردی خاں مہابت جنگ کے زمانے میں مرشد آباد آکر عہدہ عالی پر ممتاز ہوئے۔ اور یہیں سکونت اختیار کرلی۔ آخر باقی زر سرکار کے محاسبہ میں گرفتار ہوکر عظیم آباد میں مہاراجہ شتاب رائے کی قید میں ڈالے گئے۔ ہنوز اس قید سے چھوٹنے نہ پائے تھے کہ قید حیات ہی سے رہائی حاصل ہوگئی۔ **سوداؔ** کے معاصر تھے ؎

اسیروں کی قسم تجکو صبا سچ کہہ کہ گلشن میں — کوئی ان ہمنواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہو

لالہ رام چند فرحت

متوطن عظیم آباد۔ محلہ عالم گنج۔ فارسی کے نہایت پرگو اور باکمال شاعر تھے۔ مشہور قصہ حاتم طائی کو فارسی میں نظم کیا تھا۔ جسکی دو جلدیں ہیں۔ اور دونوں میں حمد و نعت کو صنعت ذوالبحرین میں لکھکر کمال شاعری کا نمونہ دکھایا ہے۔ جلد اول میں حضرت شیخ سعدیؒ شیرازی کی مدح بھی ذوالبحرین اور سہ بحری اور چہار بحری اشعار میں لکھی ہو۔ چنانچہ چہار بحری اشعار میں سے ایک شعر یہ ہو ؎

قطرۂ از جود تو جود کثیر — ذرّۂ از خوے تو مہر منیر

اس مثنوی کو مصنف نے ۱۱۸۸ھ میں تمام کیا تھا۔ چنانچہ خود ہی اس کی تاریخ بھی کس خوبی کے ساتھ نظم کی ہے ؎

سال اتمامش چو دل از عقل خواست — کرد دو انگشت خم دیگر دو راست

دو انگلیاں خم کرنے سے دو آٹھ (۸۸) کی شکل پیدا ہو جاتی ہے اور دو انگلیاں سیدھی دو الف کے مانند ہیں یعنی (۱۱) جس سے ۱۱۸۸ ہوئے۔

پہلی جلد کا نام "گنج شائگان" اور دوسری موسوم بہ "گنج بادآورد" ہے۔ اور اس میں حاتم کے وہ قصے بھی ہیں جو موجودہ قصہ حاتم طائی یعنی "آرائش محفل" میں نہیں بیان کئے گئے ہیں۔ **فرحت** کی یہ دونوں مثنویاں اب نایاب ہیں۔ ان دونوں کے قلمی نسخے مولانا **شوق**[1] نیموی مرحوم کے چچا منشی شیخ سعادت علی[2] مرحوم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے۔ مولانا شوق نیموی کے

[1] ان کا تذکرہ اردو شعرا کے چوتھے دور میں آتا ہے۔

[2] منشی شیخ سعادت علی کی تاریخ پیدائش ۱۲۴۳ھ "یادگار وطن" از مولانا شوق نیموی صفحہ ۱۳

بادشاہ کے کوکہ تھے۔ حاضر جوابی اور لطیفہ گوئی میں طاق۔ ظرافت اور بذلہ سنجی میں شہرہ آفاق۔ بادشاہ نے ظریف الملک کوکہ خاں کا خطاب دے رکھا تھا۔ شعر گوئی کا شوق ابتدائے عمر سے تھا۔ فارسی میں قزلباش خاں اُمیدؔ سے اصلاح لی۔ اور ریختہ میں علی قلی ندیمؔ کے شاگرد تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

ہر چند اب ندیمؔ کا شاگرد ہے فغاںؔ دو دن کے بعد دیکھیو استاد ہوئے گا

اس زمانے میں احمد شاہ درّانی کے حملوں نے ہندوستان میں ہلچل مچا رکھی تھی۔ دلّی میں دربار کا رنگ بیرنگ دیکھکر یہ مرشد آباد میں اپنے چچا ایرج خاں کے پاس چلے آئے۔ یہاں رنگ نہ جما تو فیض آباد کا رخ کیا۔ والی اودھ نواب شجاع الدولہ نے اعزاز و اکرام سے لیا۔ مگر ایک روز جوش اختلاط میں گرم پیسے سے انکا ہاتھ جلا ڈالا۔ یہ نازک مزاج اور دل جلے تو تھے ہی۔ جل کر عظیم آباد چلے آئے۔ یہاں مہاراجہ شتاب رائے[۱] ایک ایسا قدرداں مل گیا۔

[۱] مہاراجہ شتاب رائے عظیم آباد کا نائب صوبہ اور مرشد آباد کا نائب دیوان تھا۔ جس وقت شاہ عالم نے عظیم آباد کا محاصرہ کیا تھا تو میرن کے حکم سے شتاب رائے نے ڈاکٹر فلرٹن کی معیت میں عظیم آباد کو بہت جوانمردی سے بچایا۔ اور خادم حسین حاکم پورنیہ کے لشکر کو بھی شکست دی

کہ پھر یہ عظیم آباد سے کہیں نہ گئے۔ اپنی خوش لیاقتی اور حسن تدبیر سے اوس زمانے میں انگریز حکام سے بھی رسائی پیدا کی اور باقی عمر خوش حالی سے بسر کر کے ۱۱۸۶ھ میں یہیں انتقال کیا اور یہیں مدفون ہوئے۔ ان کی قبر محلہ دھولپورہ میں شیر شاہی مسجد کے صحن سے متصل اوتر جانب قبرستان میں موجود ہے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۳) اس کے بعد ۹ رمئی ۱۷۶۵ء کو جب شجاع الدولہ انگریزوں سے شکست کھا کر صلح پر آمادہ ہوا تو شتاب رائے ہی کی وساطت سے جنرل کارناک سے مراتب صلح طے پائے۔ جس کے روسے اودھ کا ملک شجاع الدولہ کے قبضہ میں بدستور باقی رہا۔ اور میر قاسم کی حوالگی کے مطالبہ سے انگریز دست بردار ہو گئے۔ اسی صلح نامہ کو لارڈ کلایو نے بھی منظور کیا۔ اور اسی سال شاہ عالم نے انگریزوں کو ۲۶ لاکھ روپیے سالانہ خراج پر بنگال بہار اور اڑیسہ کی دیوانی عطا کی۔

اس کے بعد ۱۷۷۲ء میں جب نند کمار کی سازش سے محمد رضا خاں دیوان و نائب ناظم گرفتار ہو کر کلکتہ بھیجے گئے تو اون کے ساتھ شتاب رائے بھی بہ حیثیت نائب دیوان عظیم آباد میں گرفتار کئے گئے اور اون کے ساتھ دو برس تک بغیر ثبوت جرم و تحقیقات

قبر کے پتھر پر حکیم ابو الحسن مفتوںؔ کی کہی ہوئی یہ تاریخ انتقال کندہ ہے ؎

کوکہ خاں آں بہار باغ سخن سوئے خلد بریں ز دنیا رفت
کرد مفتوںؔ چو فکر تاریخش گفت ہاتف سرورِ دلہا رفت
۱۱۸۶ھ

دیوان ریختہ مرتب تھا۔ ان کے اس شعر کو ؎

شکوہ کرے ہے تو جو مرے اشک سرخ کا تیری کب آستین مرے لہو سے بھر گئی

مرزا سوداؔ نے ایک طویل قطعہ میں نہایت خوبی سے تضمین کیا ہے جس کا یہ پہلا شعر ہے ؎

سوداؔ لکھا فغاںؔ نے کو یہ خط او کسی یار نے جس وقت اس کے حال کی اوس کو خبر گئی

بقول نواب علی ابراہیم خاں دیوان ریختہ کے علاوہ دو مثنویاں بھی ان کی تصنیفات سے ہیں۔ جن میں ایک کسی شخص کی ہجو میں ہے۔

نمونہ کلام یہ ہے ؎

ہستی کے خرابے نظر آتے جو عدم میں ہرگز کوئی اس خواب سے بیدار نہ ہوتا
ای شیخ اگر کفر سے اسلام جدا ہے تو چاہیئے تسبیح میں زنار نہ ہوتا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۴) قید میں پڑے رہے۔ شتاب رائے نے انگریزوں کی رفاقت میں حسن خدمات انجام دی تھیں۔ بالآخر رہا ہوئے مگر اپنی نیکو خدمتی کے صلہ میں جب اس قسم کے مکارہات دیکھے تو ان کا دنیا سے دل چھوٹ گیا اور زندگی سے بیزار ہو گئے مرض اسہال میں مبتلا ہوئے علاج میں بھی الٹی تدبیروں سے کام لیا۔ دور ۱۷۷۳ء میں اس دنیا سے رخصت ہوئے ۱۲

عبث تو تڑپے ہے کنج قفس میں مرغ چمن اسی تڑپ میں تو یہ بال و پر گئے اپنے
دل بستگی قفس میں یہاں تک ہوئی مجھے گویا مرا چمن میں کہیں آشیاں نہ تھا
کیا تو شبِ فراق میں جیتا رہا فغاںؔ یاں تک گماں نہ تھا ترے صبر و قرار پر
خط دیجیو چھپا کے ملے وہ اگر کہیں لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں
میری طرف سے خاطر صیاد جمع ہے کیا اڑ سکے گا طائر بے بال و پر کہیں
تیری گلی میں خاک بھی چھانی کہ دل ملے ایسا ہی گم ہوا کہ نہ آیا نظر کہیں
عشاق تیری گرمیٔ بازار کر گئے اس جنس کو گراں یہ خریدار کر گئے
صیاد راہ باغ فراموش ہو گئی کنج قفس سے مت مجھے آزاد کیجیو

گریاںؔ میر علی محمد۔ ولد میر علی اکبر۔ شاہ قدرت اللہ قدرتؔ اور میر ضیاء الدین ضیاؔ۔ دونوں کے شاگرد تھے ؎

دیکھے تو جسے نگاہ بھر کر مر جائے اودھر وہ آہ بھر کر

مائلؔ۔ میر ہدایت علی۔ باشندہ عظیم آباد۔ ایک مدت تک ملک دکن کی سیاحت بھی کی ہے۔ ۱۲۰۸ھ میں انتقال کیا ؎

آتا ہے دمبدم یہی رونا یہاں مجھے پھینکا فلک نے ہائے کہاں سے کہاں مجھے

محترمؔ۔ خواجہ محمد محترم علی خاں۔ برادر زادہ خواجہ محمدی خاں نواب میر قاسم علی خاں کی سرکار سے منسلک تھے۔ حضرت شاہ رکن الدین عشقؔ کے سربرآوردہ شاگردوں میں ہیں ؎

پیغام تو جنوں کے آنے لگے ہیں مجھ تک   شاید بہار کے دن نزدیک آن پہونچے

مستمند - یار علی خاں - فقیہ صاحب **درد مند** کے شاگرد تھے - صاحب سخن شعرا نے ان کو مرزا بچو **فدوی** کا شاگرد بھی لکھا ہے - کبھی کبھی مرشد آباد بھی جایا کرتے تھے ۵

دیوانہ جان کر مجھے تیرا گھڑی گھڑی   زنجیر پا سناتے ہیں باتیں کڑی کڑی

مسکین لالہ بختمل - متوطن **عظیم آباد** سنہ ۱۱۹۰ھ میں حیات تھے ۵

روئے زمیں پہ جتنے ہیں یا دوستو پھرتے   وے آدمی نہیں ہیں مٹی کی مورتیں ہیں

مشتاق - محمد قلی خاں - نواب زین الدین خاں ہیبت جنگ صوبہ دار عظیم آباد کے رفیق و ندیم تھے - **موسیقی** میں ماہر اور پُر گو شاعر تھے ۵

غیروں کی وہ کہانی سنتا ہے گوش دل سے   جب ہو مرا فسانہ تب اوس کو خواب آئے

مضمون - میر محمد ہاشم - متوطن عظیم آباد - پہلے مشرقی تخلص کرتے تھے - علامہ عبد الجلیل **بلگرامی** سے بھی اتحاد تھا - جس زمانہ میں مرزا معز موسوی خاں **فطرت** عظیم آباد میں دیوانی کے عہدہ پر ممتاز تھے - یہ اون کے شاگرد ہوئے ۵

مشرقی منت تعلیم فلاطوں نہ کشم   موسوی خاں چو بود ہست و استاد مرا
دگر ابدال مغریبم بہ قبا سے چکنی   کہ بود زینت من جامہ عریاں بدنی
چو ما غم رسد از بادۂ گلگوں مضموں   من کہ کیفی شدہ ام از مے شیریں سخنی

منتظر - خواجہ بخش اللہ - وطن الہ آباد سنہ ۱۱۹۰ھ میں عظیم آباد آئے - ایک مدت تک یہاں رہے - پھر اپنے وطن کو چلے گئے ۵

مری خاک مدت سے اُڑتی پھرے ہے   الٰہی کدھر دامن یار ہوگا -

مہاراجہ رام نرائن **موزوں**

خلف دیوان رنگ لال - قوم کائستھ سری باستو[1] - ہندوستان کی تاریخ میں مشہور و معروف ہیں - نواب میر جعفر خاں ناظم بنگالہ کے نائب اور صوبہ عظیم آباد کے فرماں روا تھے - نواب میر قاسم علیخاں کے عہد میں معزول ہوئے اور گنگا میں غرق کیے گئے[2] - فارسی میں

---

[1] سفینۂ خوش گو - تذکرہ مہاراجہ رام نرائن موزوں -

[2] ۱۱۷۳ھ میں جب شاہزادہ عالی گوہر نے (جو بعد کو شاہ عالم بادشاہ ہوا) عظیم آباد پر حملہ کیا تھا تو راجہ رام نرائن پہلے تو محمد قلی خاں کی معرفت پیام صلح دیکر شہزادے کی خدمت میں حاضر ہوا - مگر پھر بگڑ کر اس نے عظیم آباد میں قلعہ بند ہو کر لڑنا شروع کیا - اس اثنا میں نواب میر جعفر خاں اور میرن کرنل کلایو بہادر ثابت جنگ کی معیت میں رام نرائن کی کمک کے لیے مرشد آباد سے روانہ ہو چکے تھے - یہ معلوم کر کے شہزادے نے محاصرہ اُٹھا کر بنارس کی طرف کوچ کیا - ہنوز راہ میں تھے کہ دلی سے اپنے

شیخ علی حزیں[۱] کے شاگرد تھے۔ تخلص کی رعایت اکثر شعر میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸) والد (عالمگیر ثانی) کے مارے جانے کی خبر پہونچی۔ شہزادہ نے "شاہ عالم" کا لقب اختیار کر کے مقام کھتولی میں اپنے جلوس سلطنت کا اعلان فرمایا۔ اور پھر یہ تجویز ٹھہری کہ میرن کے آنے سے پیشتر رام نرائن سے لڑ کر قلعہ عظیم آباد فتح کر لیجیے۔ چنانچہ کامگار خاں پانچ چھ ہزار سوار لیکر اور دلیر خاں اور اصالت خاں اپنی تمام جمعیت کے ساتھ۔ بادشاہ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ اور رام نرائن کے لشکر سے دیوہا ندی کے کنارے معرکہ کارزار گرم ہوا۔ اس لڑائی میں کامگار خاں نے رام نرائن کے ہاتھی سے اپنا گھوڑا ملا دیا اور اتنے تیر اور نیزے مارے کہ اپنی دانست میں مار ڈالا۔ لیکن رام نرائن نے زخمی ہو کر ہودج کے اندر لیٹ کر تختوں کی آڑ میں اپنی جان بچائی۔

اس کے بعد سنہ ۱۱۷۴ھ مطابق سنہ ۱۷۶۰ء میں نواب میر قاسم علی خاں میر جعفر کو معزول کر کے مسند نشیں ہوئے۔ یہ رام نرائن کے مخالف تھے۔ انہوں نے پہلے تو رام نرائن کو زر خزانہ کے محاسبہ میں قید کر دیا اور جب تھوڑے ہی دنوں میں ان کی انگریزوں سے بگڑی اور نوبت بہ جنگ پہونچی۔ تو مونگیر سے بھاگتے وقت انہوں نے اپنے تمام قیدیوں کو قتل کر کے۔ رام نرائن کے گلے میں مٹکا ریت سے بھر کر لٹکایا اور گنگا میں ڈبوا دیا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۷۶۳ء میں گذرا۔ ۱۲ ر

[۱] شیخ علی حزیں سنہ ۱۱۰۳ھ میں اصفہان میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۱۴۷ھ میں دہلی آئے اور سنہ ۱۱۸۰ھ میں بنارس میں انتقال کیا۔ ۱۲ ر

رکھتے تھے۔ ریختہ بھی بہت صفائی سے کہتے تھے ؎

ابر تو خود ہی خجالت سے ہے پانی پانی
کب مقابل ہو مرے دیدۂ خونبار کے ساتھ

بھولی نہیں ہے مجھکو بتوں کی ادا ہنوز
دل کے نگیں پہ نقش ہے نام خدا ہنوز

تالاں۔ میر محمد وارث علی خلف میر ارزانی۔ وطن اصلی قصبہ بہار تھا۔ سنہ ۱۱۹۵ھ میں عظیم آباد میں شیشہ گروں کے سردار تھے اشرف علی خاں **فغاں** کے تلمیذ رشید اور صاحب دیوان ہیں ؎

یک بیک شام کو وہ یار جو گھر سے نکلا
لوگ حیران ہوئے یہ چاند کدھر سے نکلا

بہت روتا ہوں او ستم یاد کر احوال کو اپنے
نظر آجاتا ہے تالاں کوئی شیشہ جہاں ٹوٹا

چین سے بیٹھنے کہیں نہ دیا
مجھکو میری ہی بدگمانی نے

چپکے رہجائے کچھ سن کے تو رسوائی ہے
بول اٹھئے تو وہ کہتا ہے کہ سودائی ہے

دوستی تجھ سے کی کہاں کہ مجھے
دشمنی ہو گئی زمانے سے

نجات۔ شیخ حسن رضا۔ احمد شاہ درانی کی چڑھائی کے بعد یہ عظیم آباد چلے آئے۔ ایک مدت تک نواب علی ابراہیم خاں کے عم محترم حاجی احمد علی **قیامت** کے جوار عاطفت میں زندگی بسر کی۔ پھر میاں مصاف کی سرکار میں خدمات دیہی پر مامور ہوئے اطراف سارن میں کسی دیہات میں رہتے تھے۔ زیادہ تر مرثیہ گوئی سے شوق تھا۔ ؎

کوئی عنوان نہ دیکھا کفر وایمان میں جدائی کا — ہر ایک بت میں نظر آیا ہمیں جلوہ خدائی کا

ولی - مرزا ولی۔ شاہ اسرار اللہ کے بھتیجے۔ شاہ جہاں آباد سے عظیم آباد آئے ۱۱۹۴ھ سے پیشتر مرشد آباد چلے گئے تھے ؎

آہ کا اوس کو کچھ اثر نہ ہوا — ہیہات اس نخل میں ثمر نہ ہوا

ہمدم - میر محفوظ علی۔ باشندہ عظیم آباد خلف ہیبت قلی خاں حسرت تلمیذ شاہ قدرت اللہ قدرت ؎

آہ کی بھی نہیں رہی طاقت — آہ کیونکر کراہئے ہر دم

متقدمین شعرائے عظیم آباد مندرجہ تذکرہ گارسن دی تاسی و تذکرہ عشقی

قبل اس کے کہ طبقہ متقدمین کا پہلا دور ختم کیا جائے۔ اس مقام پر یہ بیان کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ ڈاکٹر اسپرنگر کی "فہرست کتب خانہ اودھ" اور "تذکرہ گارسن دی تاسی" سے بحوالہ تذکرہ عشقی پایا جاتا ہے کہ مذکورہ مشاہیر شعرا کے علاوہ چند اور غیر معروف شعرا بھی اس زمانہ میں عظیم آباد میں موجود تھے جن کا تذکرہ ضمیمہ دور اول کے عنوان سے ذیل میں علیحدہ مندرج ہے اور ان کے ماسوا دیگر عظیم آبادی شعرا جو گارسن دی تاسی و عشقی میں مندرج ہیں۔ اون کا تذکرہ دوسرے اور (بعض) تیسرے دور میں بہ ترتیب حروف تہجی اپنی جگہ پر آگے بیان کیا گیا ہے۔
واضح ہو کہ حضرت شیخ محمد وجیہہ الدین عشقی عظیم آبادی ابن غلام حسین محرم (جن کا تذکرہ اوپر بیان ہو چکا ہے) نے تقریباً ۱۲۲۵ھ میں ایک تذکرہ شعرائے ہند کا مرتب کیا تھا جس میں بہتر کے قریب ایسے شعرا ہیں جو خاص عظیم آباد کے تھے یا یہاں آ کر مقیم ہو گئے تھے۔ اور جن میں سے اکثر کے تذکرے گلزار ابراہیم" وغیرہ کے حوالے سے اوپر بیان کئے جا چکے ہیں۔
ڈاکٹر اسپرنگر کے "کیٹ لاگ" سے پایا جاتا ہے کہ اس تذکرہ عشقی کا قلمی نسخہ شاہان اودھ کی لائبریری میں موجود تھا اور بقول گارسن دی ٹاسی ایک قلمی نسخہ مسٹر جے۔ بی۔ الیٹ کے پاس بھی تھا۔ بہرحال تذکرہ عشقی میں جتنے شعرا مندرج ہیں اون سبھوں کے نام اور اون کے حالات مع اضافہ تحقیقات کے ڈاکٹر اسپرنگر کے "کیٹ لاگ آف اودھ لائبریری" (فہرست کتب خانہ شاہان اودھ) اور تذکرہ "گارسن دی تاسی" میں حوالہ عشقی کے ساتھ موجود ہیں اور راقم نے ان سے کافی فائدہ اٹھایا ہے اگرچہ اکثر شعرا کے کلاموں کا انتخاب دیگر تذکروں سے بھی حاصل کیا گیا ہے۔

شعرالہند جلد اول کے دیباچہ میں جو بیان کیا گیا ہے کہ ۱۱۱۵ھ میں رحمت اللہ عشقی عظیم آبادی نے ایک تذکرہ لکھا تھا جس میں ۴۳۹ شعرائے ریختہ کا تذکرہ ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں اور عشقی تخلص کے ساتھ رحمت اللہ نام کے کسی شاعر کا وجود بھی عظیم آباد میں نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ دی تاسی نے اس کا زمانہ تالیف ۱۲۱۵ھ قرار دیا ہے تاہم نام کی غلطی کا اصل سبب مفصل بیان کرنے کی اس مقام پر گنجائش نہیں۔

تذکرہ "روز روشن" مولفہ مرزا محمد مظفر علی صبا...؟

تذکرہ روز روشن" مولفہ میر وزیر علی عبرتی میں (جو تقریباً ۱۲۶۰ھ میں لکھا گیا ہے) مذکور ہے کہ حضرت عشقی کے ایک شاگرد خواجہ حیدر جان شائق تخلص نے عبرتی موصوف سے (جن کا تذکرہ تیسرے دور میں آگے مذکور ہے) ڈھاکہ میں بیان کیا تھا کہ حضرت عشقی مرحوم نہایت مستغنیانہ زندگی بسر کرتے تھے اور انتقال کے بعد اُن کا دیوان و مثنوی اور دیگر تصنیفات نظم و نثر (تذکرہ) وغیرہ ڈھاکہ میں اون کے بعض احباب کے پاس موجود تھیں جن کو عبرتی موصوف نے دیکھا بھی تھا۔ راقم کی نظر سے یہ دونوں تذکرے بھی گذرے ہیں

ضمیمہ دور اول

احتشام - خواجہ احتشام حسین۔ رئیس عظیم آباد ؎

دشت کو غم نہیں مجنوں کا فراموش ہنوز — دیکھ تو چشم غزالاں ہیں سیہ پوش ہنوز

تجمل - سید حمید ابن بلال محمد۔ نواب منیر الدولہ[1] کے رفیق تھے ؎

بوئے گل تو تو چلی اپنی سبکساری سے — ہم گراں بار اٹھیں گے بڑی دشواری سے

بیدار - منشی ببا ون لعل تلمیذ مرزا مظہر جان جاناں۔ ایک مدت تک پٹنہ میں رہے اور یہیں فوت ہوئے ؎

مرے لخت جگر یوں آنسوؤں کے ساتھ جاتے ہیں — کہ جوں پھولوں کی پنکھڑی لیکے پانی میں بہاتے ہیں

[1] نواب منیر الدولہ۔ رضا قلی خاں شاہ عالم بادشاہ کے وکیل مقرر ہو کر عظیم آباد آئے تھے۔ انہوں نے ۱۱۸۸ھ میں انتقال کیا اور محلہ باولی میں مدفون ہوئے۔ انکی قبر پر جو کتبہ کندہ ہے اوس میں "داد رضوان بہشت آداد طعم فاخرہ" سے مادہ تاریخ نکلتا ہے۔ نواب کریم قلی خاں انکے بیٹے تھے ان کے خاندان نے محلہ بھکنا پہاڑی میں سکونت اختیار کی ۱۱۸۸ھ

جذب - میر مظہر علی۔ متوطن عظیم آباد۔ فارسی میں صافی تخلص تھا

ہے جنوں کا زور طوفاں ان دنوں　　میں ہوں اور میرا گریباں ان دنوں

جعفری - مرزا جعفر خلف قائم علی خاں متوطن عظیم آباد شاگرد میر محمدی رضا

شب تری فرقت میں دل آتش جگر یہاں آب تھا　　شمع ساں یک شعلہ آنکھوں میں بجائے خواب تھا

جوہری - مولوی آیت اللہ پھلواروی۔ ان کا فارسی میں شورش (اور بقول گارسن دی تاسی "سوزش") تخلص تھا۔ سنہ ۱۲۴۳ھ میں انتقال کیا۔ تذکرہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

حیرت - رحم علی - زیادہ حال معلوم نہیں

کہاں ہے شیشہ ہی محتسب خدا سے تو ڈر　　مرے بغل میں جھلکتا ہے آبلہ دل کا

خادم - خادم حسین خاں ولد حاجی احمد علی قیامت - نواب علی ابراہیم خاں کے چچیرے بھائی تھے۔ دوران تالیف تذکرہ عشقی ان کا انتقال ہوا

یار جا پہونچے اپنی منزل کو　　ہم ابھی باندھتے ہیں محمل کو

خواجہ - امیر اللہ خاں۔ متوطن عظیم آباد

جو ہاتھ اوس کے بند قبا کھولتے تھے　　سو مشغول ہیں اب بیکار گریباں

راسخ - شیخ غلام علی ولد شیخ محمد فیض عظیم آبادی مفصل تذکرہ دوسرے دور میں مذکور ہے

رشکی - محمد حسن خاں۔ ولد خادم حسین خاں تخلص خادم - تھانیدار دہلی اردو اخبار کے اڈیٹر بھی تھے

رضواں - غلام حسین۔ ساکن عظیم آباد - زیادہ حال معلوم نہیں

زاری - سوہن نام۔ باشندہ عظیم آباد - شاگرد میر محمدی رضا

سالم - غلام مصطفےٰ شاگرد فدوی حضرت عشقی کے دوست انگریزی فوج میں سوار تھے

شاہ - شاہ سعد اللہ عرف عشق علی شاہ تلمیذ میر درد - حضرت کریم اللہ سجادہ نشین تکیہ شاہ ارزاں کے مرید تھے سارن دستیا میں قیام تھا۔ تذکرہ قائم میں بھی ان کا مذکور ہے

وابستہ ہے تجھ سے اپنی یاں زیست　　جب تو ہی نہیں تو پھر کہاں زیست

شعور - خواجہ عاصم خاں - خلف خواجہ محمدی خاں

آرزو یہ ہے کہ اس طرح دن اور رات کٹے　　جتنی باقی ہے مری عمر ترے ساتھ کٹے

شورش - میر مہدی ولد غلام حسین - زیادہ حال معلوم نہیں

شوق - شیو گوپال عرف کاکاجی ساکن عظیم آباد - تجارت اور مہاجنی کرتے تھے

دامن کو ترے خوں نہ رہے بن بھرے ہوئے　　چھوٹے نہ اپنا عشق تو قاتل مرے ہوئے

طالب - شاہ طالب علی - شاگرد مرزا فدوی صاحب دیوان تھے ۱۲۰۶ھ میں انتقال کیا

مژدہ اے قیس تیری وادی میں　　ناقہ لیلیٰ کا آج آتا ہے

طرزی - میر امام علی متوطن دہلی مقیم عظیم آباد - شاگرد نصیر

قربان - میر قربان علی عظیم آبادی ولد میر محمد قاسم شاگرد قدرت بحیثیت ناظم کے ملازم تھے

کمال - کمال علی - متوطن مان پور ضلع گیا سکونت دیورہ متصل بہار - اردو و فارسی دونوں میں کہتے تھے - ان کی تصنیف سے "کمال الحکمت" اور "چہاردہ ورود" دو کتابیں ہیں ۱۲۱۵ھ میں انتقال کیا

شب وصال میں جب روز غم کی بات چلی　　خروش مرغ سحر نے کیا کہ رات چلی

گریاں - راجہ بھوانی سنگھ بہادر عرف راجہ کنور - ولد راجہ شتاب رائے شاگرد فدوی

دل ہی نہیں ملے ہے ملے کیا نشان داغ　　مدت سے ڈھونڈتا ہوں کروں کیا بیان داغ

مجرم - شیخ غلام حسین - حضرت عشقی کے والد کا نام تھا - شاہ محمد وفا (مولف وقائع مہابت جنگی) سے کسب سخن کیا تھا - "دی تاسی" نے عبداللہ سرشار کا شاگرد لکھا ہے - فارسی میں تقدیر تخلص تھا

بنواز بہ زخم تیغ ظالم　　از آب مکن دریغ ظالم

مراد - مرزا مراد بخش عرف مرزا احمد ولد ناصر محمد خاں (وکیل منی بیگم) شاگرد راسخ تیس سال کی عمر میں انتقال کیا - تذکرہ عشقی میں ایک اور مراد کو بھی لکھا ہے جو محمد شاہ کے عہد میں تھے

جاں بلب ہوں میں خمار روزے سے اور آتی ہے بہار　　وقت ہے ساقی اگر جام میں صہبا کیجے

ہے عشق و عقل سے ہر دم مجادلہ دل کا　　کشاکشی میں پڑا ہے معاملہ دل کا

مست - علی خاں - اصالت خاں ثابت کے بھتیجے - عشقی کے شاگرد تھے - پورنیہ میں قیام تھا

نہ وہ بانکوں میں گنا جائے نہ ٹیڑھوں میں یہ کیوں　　خانہ جنگی تمہیں رہتی ہے سدا مست کے ساتھ

مضطر - ان کا نام معلوم نہ ہوا - بعضوں نے طالب کا شاگرد لکھا ہے

جب سے اوس شوخ کا عاشق میں ہوا ہوں مضطر　　ہر کوئی دیکھ ہنسے ہے مری رسوائی کو

نقد۔ مہر علی خاں دہلوی۔ مقیم عظیم آباد۔ ان کا کلام دستیاب نہ ہوا۔

نواز۔ علی نواز خاں۔ عرف مرزا مدد۔ نواب عمدۃ الملک کے یہاں ملازم تھے ؎

بہار آئی سنی اڑتی خبر سی ۔۔۔ چمن میں آج ہے بلبل کی بو سی

نیاز و نیازی۔ میر فضل علی لکھنوی۔ یہ میر جان اور بہادر خاں نیازی بھی کہلاتے تھے عظیم آباد میں قیام تھا اور یہیں انتقال کیا بقول ڈاکٹر اسپرنگر (صفحہ ۲۳۵) میر محمد سلیم عرف راجہ کامگار خاں کے بھتیجے تھے۔ جوشش اور تجرم سے تلمذ تھا۔ تذکرہ "سراپا سخن" میں ان کا تخلص نثار لکھا ہے جو دوسرے دور کی فہرست میں مع نمونہ کلام مندرج ہے۔

یوسف میر یوسف علی خاں کوتوال۔ اصالت خاں ثابت کے بھانجے تھے ؎

نہیں ہے غیر کے قصہ سے کچھ ہم کو خبر یوسف ۔۔۔ زباں پر رات دن اوس جور کا افسانہ رہتا ہے

دوسرا دور

طبقہ متقدمین سنہ ۱۲۰۱ھ سے سنہ ۱۲۵۰ھ تک

به ترتیب حروف تہجی

اشکی[1]۔ سید شاہ وارث علی۔ خلف شاہ کلب علی متوطن عظیم آباد محلہ دھولپورہ شیخ وجیہ الدین عشقی کے شاگرد تھے بیشتر فارسی میں کہتے تھے ؎

اشکی فراق یار کا چھیڑا تھا ہم نے ذکر ۔۔۔ تو نے تو رو کے اشک کا دریا بہا دیا

آشنا۔ شاہ ابو تراب خلف الصدق سید شاہ نعمت اللہ مشائخ قصبہ پھلواری میں سے تھے

ناصحا دست جنوں کوتاہ نیست ۔۔۔ بارہا چاک گریباں دوختم

آگاہ۔ نور خاں تلمیذ شاہ واقف[2] دہلوی نواب کریم قلی خاں کے یہاں قصہ خواں تھے ؎

عبادت گاہ ہے محراب کعبہ ہر مسلماں کی ۔۔۔ ہماری سجدہ گہہ محراب ہے اپنے گریباں کی

[1] حضرت شاہ مرحوم کے استاد شاہ الفت حسین فریاد (جن کا تذکرہ تیسرے دور میں آگے مذکور ہے) حضرت اشکی کے بھانجے اور شاگرد بھی تھے اور اشکی کو عشقی سے تلمذ تھا (ڈاکٹر اسپرنگر صفحہ ۲۰۵ و گارسن دی تاسی تذکرہ اشکی بہ حوالہ تذکرہ عشقی)

الفت۔ منشی منگل سین۔ باشندہ عظیم آباد۔ قوم کائستھ تلمیذ جرأت دہلوی ؎

ہر قدم پر یاں تلک آنے میں سو سو ناز ہیں ۔۔۔ کیونکہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

اُلفتی۔ راجہ پیارے لال ولد رائے سکھن جی قوم کائستھ ماتھر متوطن سکندرہ متصل اکبر آباد۔ فارسی انشا پردازی میں مشہور تھے۔ ایک مدت تک دلی میں اکبر شاہ ثانی کے میر منشی رہے۔ بالآخر ترک روزگار کر کے عظیم آباد چلے آئے سنہ ۱۲۵۴ف[1] میں فوت ہوئے۔ ان کے خانگی کتب خانے میں کئی ہزار کتابیں تھیں۔ علاوہ مثنوی "نیرنگ تقدیر" و "دنیا بازار" فارسی میں دیوان مرتب ہے ؎

خاکساری سے مثال کفش پا ۔۔۔ جس جگہ بیٹھے وہیں کے ہو گئے

امامی۔ میر امامی۔ خلف میر افتخار علی بلگرامی ذرّہ تخلص۔ متوطن کوآتھ ضلع آرہ۔ ماہ محرم سنہ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۷۴ھ میں انتقال کیا۔ انکی تصانیف سے ایک مثنوی "شورش عشق" جس کا سال تصنیف سنہ ۱۲۳۵ھ ہے سنہ ۱۲۹۵ھ میں چھپ گئی تھی۔ اور ایک دوسری مثنوی "ثمر مراد" سنہ ۱۲۴۶ھ کی لکھی ہوئی "اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ" کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کا یہ پہلا شعر ہے ؎

لوایم خامہ و الفاظ لشکر ۔۔۔ به میداں آدم اللہ اکبر

امن۔ میر امان دلی سے نکل کر عظیم آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ پھر یہاں سے سنہ ۱۸۰۱ء میں کلکتہ گئے۔ وہاں مشہور مستشرق ڈاکٹر گلکرسٹ[2] نے ان کو چار درویش کے قصہ کا اردو ترجمہ کرنے پر مامور کیا اسکے علاوہ کتاب "گنج خوبی" کی تالیف اور عیار دانش کا اردو ترجمہ "خرد افروز" کے نام سے انہوں نے کیا ہے انکی نثر دلی کی قدیم با محاورہ اردو کا بہترین نمونہ ہے ؎

مرتب ہوا جب کہ باغ و بہار ۔۔۔ تھے سن بارہ سو سترہ در شمار (الخ)

امین۔ نواب مرزا امینؔ عرف المخاطب بہ نواب امین الدولہ معین الملک ناصر جنگ بہادر وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ کے بیٹے تھے۔ بقول مؤلف آب حیات دہلی میں اپنے مکان پر

[2] اردو زبان کی تاریخ میں مسٹر جان گلکرسٹ بھی ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اردو نثر نویسی کو فروغ دینے والے سب سے پہلے شخص یہی ہیں۔ انکے ماتحت سرکار کمپنی بہادر کی ملازمت میں ہندوستان کے بہترین اہل قلم تصنیف و تالیف کی خدمت پر مامور تھے خود ڈاکٹر گلکرسٹ نے بھی سنہ ۱۷۸۶ء میں اردو کا ایک لغت تصنیف کیا تھا۔

بڑے تزک و احتشام سے مشاعرے کیا کرتے۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں عظیم آباد کے قیام پر مجبور کیے گئے۔

شاید کہ سیل اشک نے اسکو بہا دیا   سینے میں اب تو خاک نہ پایا سراغ دل
کل جو ہم نے مغبچہ کے ساتھ سیر دیر کی   لڑکھڑایا تھا ہی پا لیکن خدا نے خیر کی
یاس و غم و آرزو و جمع یہ سب چیز ہے   بل بے سمائی تیری دل بھی عجب چیز ہے

برکت۔ شیخ برکت اللہ متوطن عظیم آباد۔ اس دیار کے بعض شعرا ان کے شاگرد تھے۔

ہے ترے سوا کون مرا پوچھنے والا   ہاں تجکو سلامت رکھے اللہ تعالیٰ

بیتاب۔ سنتوکھ رائے باشندہ عظیم آباد۔

خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے   تصدیع میں کسی کا قر کے یہ بلا نہ کرے

بیتاب۔ سید کلب علی ابن شاہ فیض علی متوطن عظیم آباد محلہ جھوپورہ انکو کیمیاگری کا بھی شوق تھا۔

جلوہ گر ہے داغ اپنے یوں دل مایوس میں   ہو فروزاں شمع جیسے پردۂ فانوس میں

بیقرار۔ خواجہ کاظم خاں متوطن عظیم آباد تلمیذ مرزا فدوی۔ خواجہ محمدی خاں کے پوتے اور خواجہ عاصم خاں متوہ کے بھتیجے تھے۔ سرکار کمپنی بہادر میں تحصیلداری کے عہدہ پر فائز تھے۔

گل چیں خبر تو ہونے دے اوس گلعذار کو   پھر آکے ہم سلام کریں گے بہار کو

تمنا۔ مرزا علی رضا۔ شاگرد جوشش عظیم آبادی۔

آرام مجھے عشق میں دشوار نہ ہوتا   پہلو میں اگر یہ دل بیمار نہ ہوتا

تنہا۔ شاہ محمد علی عرف محمد وحید دہلوی مقیم عظیم آباد۔ شاگرد علی نقی محشر دہلوی۔

دست جنوں سے ٹکڑے کرنا اسے بجا تھا   کیوں پیرہن ہمارے ناحق گلے پڑا تھا

ثابت۔ اصالت خاں۔ متوطن عظیم آباد۔ شاگرد مرزا فدوی۔

ید بیضا سے ماہ کو باہم   اوس کے وقت سلام میں دیکھا

ثروت۔ مفتی غلام مخدوم خلف مولوی جمال الدین پھلواروی شاگرد مولوی آیت اللہ شورش ابتدا میں مفلوک الحال تھے بالآخر کسی مقدمہ متروکہ کی بدولت انکو چالیس ہزار روپے سرکار کمپنی سے ملے۔

آستیں جو ہو گئی دریا ہے داماں اشک سے   چشم یہ مجکو نہ تھی اے چشم گریاں اشک سے

ثنا۔ میر شمس الدین۔ متوطن کشمیر مقیم عظیم آباد شاگرد مشتاق۔

چمن ہے خندۂ گل ہے مے و مینا ہے اور تو ہے   فغاں ہے نالہ ہے فریاد ہے زاری ہے اور میں ہوں

جمال۔ شاہ جمال حسین ابن حیدر علی رضوی۔ متوطن عظیم آباد سنہ ۱۲۲۹ھ میں انتقال کیا۔ ان کی قبر ڈھائی کنگرہ کی مسجد کے سامنے واقع ہے۔ کتابہ پر قطعہ تاریخ کندہ ہے۔ سال وفات اس مصرع سے نکلتا ہے ع جان شیریں بوصل یار سپرد (۱۲۲۹ھ)

پہلے تو مدتوں اوسی در کا فقیر تھا   سنتے ہیں اب جمال نے بھی دل اٹھا لیا

جنون۔ شاہ غلام مرتضیٰ ساکن سہسرام ضلع شاہ آباد شاگرد برکت صاحب دیوان تھے۔

تری چشم مست سے ساقیا یہ سیاہ مست جنوں ہوا   کہ مے دو آتشہ طاق پر جو دھری تھی یوں ہی دھری رہی

حسن۔ سید شاہ غلام حسن خلف شاہ امیر اللہ ابن سید شاہ خیر اللہ متوطن قصبہ بیتھو ضلع عظیم آباد۔ سلسلہ نسب حضرت اشرف جہانگیر قدس سرہ سے ملتا ہے حسن کا مزار قصبہ کچھوچھہ ملک اودھ میں ہے۔ حضرت شاہ محمد منعم قدس سرہ سے بیعت خلافت بھی حاصل تھی۔ سنہ ۱۱۸۵ھ میں انتقال کیا۔ مثنوی "کارستان عشق" اور اصناف سخن میں ایک ضخیم کلیات جو تقریباً بارہ ہزار ابیات پر مشتمل ہے یادگار چھوڑا۔

جلوہ ہا دیا حسن اندر دل خود دیدہ است   زندگانی را بسر در خود پرستی میکند

حکیم۔ حکیم احمد حسین عرف کلمی سوداگر عظیم آبادی خلف شیخ فیض بخش۔ تلمیذ راسخ۔

کچھ آج الجھتی ہے ہوا سے مری زنجیر   کیا آئی ہوا کاکل پیچاں سے الجھ کر

حیدری۔ حکیم غلام علی عرف شیخ جما۔ حسین آباد (شیخپورہ) میں طبابت کرتے تھے۔ شاگرد مجرم و وفا۔ بقول "ڈی تاسی" اردو شاعری کے نئے اسکول کے بانی تھے۔

ہم کہیں وہم میں نہیں اوس کے   لوگ کیا کیا گمان کرتے ہیں

خلاق۔ مولانا تصدق حسین خلف قاضی عبید اللہ مولانا امین اللہ امین کے نواسے تھے۔ مولد و وطن موضع نگرنہسہ ضلع عظیم آباد۔ ایک رسالہ "دستور القواعد" فارسی مطبوعہ اور ایک دیوان قلمی یادگار چھوڑا ہے۔ سنہ ۱۲۶۰ھ میں انتقال کیا۔ مولوی حلیم الدین حسین مصنف "سلم الافلاک" (متوفی سنہ ۱۳۰۶ھ) انکے بیٹے تھے۔

کشتی و سوختی و زدی خاک من بہ باد   خود گو جواب پرسش روز حساب چیست
موی سفید گشتہ و خلاق غافلی   صبح از افق دمید دگر وقت خواب چیست

راجہ - راجہ بہادر۔ خلف مہاراجہ شتاب رائے نائب دیوان نظامت بنگالہ۔ شاگرد اشرف علی خاں فغاں ؎

یہ زخم دل ہمارے مرہم تلک نہ پہونچے
ہم اون تلک نہ پہونچے وہ ہم تلک نہ پہونچے

شیخ غلام علی راسخ

راسخ۔ تخلص۔ شیخ غلام علی نام۔ وہ نامور بزرگ ہیں جو ہندوستان کی دنیائے شاعری میں ثانی میر تقی میر تسلیم کئے گئے۔

متاخرین تذکرہ نویسوں نے موضع سائین کو۔ جو عظیم آباد سے دس کوس کے فاصلے پر ایک دیہات ہے۔ ان کا مولد وطن قرار دیا۱؎ ہے۔ سنہ ۱۱۶۲ھ میں کسی غیر مشہور خاندان میں پیدا ہوئے۔

ایام شباب سے یعنی تقریباً سنہ ۱۱۸۲ھ سے سنہ ۱۲۲۲ھ تک یہ عظیم آباد میں بہت کم رہے۔ اور اس زمانے میں یہاں ان کو لوگ بہت کم جانتے تھے۔ تذکرہ "گلزار ابراہیم" میں جس کو نواب علی ابراہیم خاں خلیل عظیم آدی نے سنہ ۱۱۸۴ھ سے لکھنا شروع کیا تھا اور سنہ ۱۱۹۶ھ میں تمام کیا۔ راسخ کے ایسے خوش گو شاعر کا کوئی تذکرہ اور نہ کوئی ایک شعر بھی موجود نہیں۔ پھر اس کے بعد سنہ ۱۲۱۵ھ تک

۱؎ تذکرہ "گل رعنا" مولفہ مولانا عبدالحی مرحوم ۱۲ ار

"گلشن ہند" بھی ان کے تذکرہ سے خالی ہے۔ بعد کے تذکروں سے پایا جاتا ہے کہ غازی پور۔ لکھنؤ۔ دلی وغیرہ کی سیر و سیاحت کرتے رہے۔ ساٹھ برس کے سن میں سنہ ۱۲۲۲ھ میں عظیم آباد میں آکر مستقل طور پر اقامت گزیں ہوئے۔ مگر پھر یہاں سے مونگیر۔ بھاگلپور اور مرشد آباد میں قیام کرتے ہوئے کلکتہ پہونچے۔ مولوی راشد مفتی کے مہمان رہے۔ اور پھر سنہ ۱۲۳۲ھ میں عظیم آباد واپس آئے۔ اور سنہ ۱۲۳۸ھ میں یا بقول "گارسن دی تاسی" سنہ ۱۲۴۰ھ میں ۷۶ یا ۷۸ برس کی عمر پاکر ۲۲ جمادی الاخر کو اس دنیا سے انتقال کیا۱؎۔

تذکرہ سخن شعرا (۱۲۹۱ھ) میں شیخ راسخ کو مرزا فدوی کا شاگرد لکھا ہے جو شاہ رکن الدین عشق کے شاگرد تھے۔ لیکن مطبوعہ دیوان کے ملاحظہ سے پایا جاتا ہے کہ خود راسخ نے جہاں کہیں لکھا ہے اپنے کو میر تقی میر کا شاگرد اور عقیدتمند بیان کرکے اکثر فخر و مباہات سے بھی کام لیا ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

راسخ کو ہے میر سے تلمذ
یہ فیض ہے اون کی تربیت کا
ہیں میر گذشتہ کے بدل حضرت راسخ
اب ان کو سلامت رکھے اللہ تعالے

۱؎ ان کی قبر لودی کٹرہ میں مولوی محمد اسحاق مرحوم کے مکان کے پشت پر پچھم طرف قبرستان میں بتائی جاتی ہے۔ ۱۲ ار

زندہ ہے نام میر راسخ سے　　　کون ہے شاعروں میں ایسا آج

شاگرد ہیں ہم میر سے اُستاد کے راسخ　　　اوستادوں کا استاد ہے اُستاد ہمارا

مایۂ دار سخن اب کون ہے ہم سا راسخ　　　شاہ اقلیم معانی ہوئے ہم میر کی طرح

کروں کیونکر نہ میں راسخ مباہات　　　کہ ہیں اُستاد میرے حضرت میر

نسبت تو اوسی سے تھی راسخ کو تلمذ کی　　　وہ میر جو استاد اس اشعار کے فن کا تھا

ان مقطعوں کے دیکھنے سے کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ خود راسخ بھی اپنی نسبت شاگردی کو میر ہی کے ساتھ مسلم رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے قدوی سے بھی کسب سخن[۵] ضرور کیا تھا۔ بہر حال حقیقت یہ ہے کہ شاگردی کا اعتراف کرنے کے باوجود راسخ کو میر کی ہمسری پر بھی قناعت نہیں ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں

نظیری اور شفائی کا ہے بدل راسخ　　　یہ اوس کا فخر نہیں گر نظیر میر ہوا

[۵] اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں راسخ کی قلمی بیاض خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود ہے۔ جس میں متعدد ایسے اشعار بھی ہیں جو مطبوعہ دیوان میں نہیں پائے جاتے۔ ان اشعار پر خود حضرت راسخ نے "نباید نوشت" لکھ دیا ہے اور غالباً یہی وجہ کہ یہ اشعار مطبوعہ کلیات میں داخل نہیں کئے گئے۔ انہیں اشعار میں ایک یہ شعر ہے جس سے قدوی کی شاگردی کا اعتراف پایا جاتا ہے ۔

شاگرد ہیں گے حضرت قدوی کے بیشمار　　　راسخ ہیں ایک ہم بھی و لے کس شمار میں

رسالہ "نوائے وطن" میں حضرت شاد مرحوم نے راسخ کو مرزا شرر (تلمیذ تحقیق) کا شاگرد بیان کیا ہے۔ لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

مطبوعہ کلیات راسخ میں شروع میں نو دس قصیدے اور چند قطعات ہیں۔ جن میں چند قصیدے نواب آصف الدولہ اور غازی الدین حیدر کی تعریف میں بھی ہیں جب وہ نواب وزیر تھے۔ قصیدے کے یہ مرد میدان نہ تھے۔ یہ قصاید غالباً قیام لکھنؤ کے زمانے میں کہے گئے ہیں۔ ورنہ عام طور پر ان کا دامن درباری تعلقات سے کبھی آلودہ نہیں ہوا۔ قصاید کے بعد غزلوں کا دیوان ہے جو ان کے کلام کا اصلی جوہر ہے۔ ابتذال مضامین سے ان کا کلام بالکل پاک ہے۔ کنگھی چوٹی۔ بوس وکنار اور ضلع جگت کے بھدّے تصورات کی ان کے عروس کلام میں کہیں جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی۔ ان کے کلام میں سوز و گداز کے ساتھ تصوف کا رنگ بہت نمایاں ہے۔ اور فلسفیانہ رنگ بھی اکثر پایا جاتا ہے۔ ثقاہت و متانت معنی میں یہ اپنے استاد میر سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں اور عشق حقیقی کے پاک جذبات کے بیان میں یہ اون سے آگے ہیں۔ راسخ نہ صرف سر دفتر شعرائے بہار ہیں۔ بلکہ اقلیم سخن میں میر و درد

کی طرح تمام ہندوستان کے لئے مایۂ افتخار رہیں۔

غزلوں کے علاوہ آخر میں قابل دید پندرہ مختلف مثنویاں تقریبًا ڈھائی سو صفحوں پر ختم ہوئی ہیں۔

بقول مولانا حسرت موہانی۔ ان سب مثنویوں کا انداز میر کی مثنویوں سے اسقدر ملتا جلتا ہے کہ دونوں میں تمیز بھی مشکل سے ہو سکتی ہے؎۔ اب نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

بے مدعا ہوں یہ بھی ہے ایک مدعائے دل   اس قید مدعا سے نہ کوئی رہا ہوا

ضبط گریہ تو ہے پر دل پہ جو ایک چوٹ سی ہے   قطرے آنسو کے ٹپک پڑتے ہیں دو چار ہنوز
آزمائے وہ ہمیں رتبہ کہاں یہ اپنا   امتحاں کے نہیں ہم آہ سزاوار ہنوز

نہیں ہوش والوں پہ کچھ حسد مجھے رشک ہے تو انہوں پہ ہے
جنہیں ترے جلوہ کے سامنے مری طرح بے خبری رہی

تا خواب مرگ ذکر تھا ان کا زبان پر   نیند آگئی ہمیں تو اسی داستان پر
اپنا بھی ماجرائے دل ایک مرثیہ سا ہو   بے اختیار روتے ہیں لوگ اس بیان پر
ایکبار دل ہوئے دو عالم سے اُٹھ گیا   بیٹھے ہیں آن کر جو ترے آستان پر
راسخ یہ کیا ہے عشق کو بدنام مت کرو   عاشق ہوا ور مرتے ہو نام و نشان پر

اوس جان مجسم کی بیاں کیا ہو حقیقت   عکس آئینہ میں جس کا نمودار نہ ہوئے

؎ رسالہ اردوئے معلی - بابت مئی ۱۹۰۸ء

کسقدر بوقلموں جلوہ ہے محبوب اپنا   کوئی بھی اوس کی تجلی نہیں تکرار کے ساتھ

محتاج سیاحت کا نہیں عارف کامل   دریا کے تئیں آپ ہی میں سیر و سفر ہے

دل کے آگے کیوں بڑھا تو اے طلبگار وصال   پھر اودھر ہی جا وہی گھر جلوہ گاہ یار تھا

ظلمت سرائے دہر کے جو ہیں فروغ بخش   اغلب یہ ہے کہ شب کو چراغ اون کے گھر نہ ہو

ہے عزم ترک ہستی وجہ دوام ہستی   جیتے ہی جی فنا ہو گر ہے بقا کی خواہش

میری متاع عجز بھی کی ناپسند ہائے   بولے کہ اس متاع پہ تجکو غرور تھا

پردہ کب آسمان روئے دل ربا سے اٹھ گیا   تب اٹھا واں پردہ جب میں درمیاں سے اٹھ گیا

مدعا عالم سے اپنا ہی فقط دیدار تھا   دید کو اپنے یہ آئینہ اوسے درکار تھا

طاعت کا بدل چاہئے جنت تمہیں راسخ   تم مزد کے خواہندہ ہو مزدور ہو صاحب

طالبان یار کی منزل تو غیر از دل نہیں   کعبہ کہتے ہیں جسے سو راہ ہے منزل نہیں

سلیمان۔ سلیمان خاں۔ متوطن دہلی۔ مقیم عظیم آباد — اشرف علی خاں **فغاں** کے شاگرد تھے ؎

نظر آئی حنابندی مجھے کس گل کے ہاتھوں کی   کہ اشک سرخ سے کاسہ ہوا معمور آنکھوں کا

ضمیر۔ کنور ہیرا لال۔ خلف الرشید راجہ پیارے لال **الفتی**۔ مولد و مسکن شہر عظیم آباد۔ درسیات فارسی و عربی میں فارغ التحصیل۔ علم ہیئت و ہندسہ و اقلیدس وغیرہ میں بھی دخل تھا۔ چند سال محکمہ بورڈ کمشنر و افیون میں سررشتہ داری کے عہدہ پر

کسقدر بوقلموں جلوہ ہے محبوب اپنا — کوئی بھی اوس کی تجلی نہیں تکرار کے ساتھ

محتاج سیاحت کا نہیں عارفِ کامل — دریا کے تئیں آپ ہی میں سیر و سفر ہے

دل کے آگے کیوں بڑھا تو اے طلبگارِ وصال — پھر اودھر ہی جا وہی گھر جلوہ گاہ یار تھا

ظلمت سرائے دہر کے جو ہیں فروغ بخش — اغلب یہ ہے کہ شب کو چراغ اون کے گھر نہ ہو

ہے عزم ترک ہستی وجہ دوام ہستی — جیتے ہی جی فنا ہو گر ہے بقا کی خواہش

میری متاع عجز بھی کی ناپسند ہائے — بولے کہ اس متاع پہ تجکو غرور تھا

پردہ کب آسان رُوئے دل ربا سے اٹھ گیا — تب اٹھا واں پردہ جب میں درمیاں سے اٹھ گیا

مدعا عالم سے اپنا ہی فقط دیدار تھا — دید کو اپنے یہ آئینہ اوسے درکار تھا

طاعت کا بدل چاہئے جنت تمہیں راسخ — تم مزد کے خواہندہ ہو مزدور ہو صاحب

طالبان یار کی منزل تو غیر از دل نہیں — کعبہ کہتے ہیں جسے سو راہ ہے منزل نہیں

سلیمان - سلیمان خاں - متوطن دہلی - مقیم عظیم آباد — اشرف علی خاں **فغاں** کے شاگرد تھے ؎

نظر آئی حنابندی مجھے کس گل کے ہاتھوں کی — کہ اشک سرخ سے کاسہ ہوا معمور آنکھوں کا

ضمیر - کنور ہیرا لال - خلف الرشید راجہ پیارے لال **الفتی** - مولد و مسکن شہر عظیم آباد - درسیات فارسی و عربی میں فارغ التحصیل - علم ہیئت و ہندسہ و اقلیدس وغیرہ میں بھی دخل تھا - چند سال محکمہ بورڈ کمشنر و افیون میں سررشتہ داری کے عہدہ پر

ممتاز رہے - بطور تفنن طبع غزل گوئی کا بھی شوق تھا - ۱۲۵۹ھ میں انتقال کیا ؎

از سینۂ سوزاں بہ فلک نالہ فرستیم — وز دیدۂ گریاں بہ زمیں ژالہ فرستیم

تا نیک نشانش دہد از صورت عالم — نامہ بتو نسیم و گل لالہ فرستیم

طپش - مرزا جان - متوطن دہلی - حسب الطلب نواب گورنر جنرل کلکتہ آئے تھے - بعد مراجعت عظیم آباد میں آکر مقیم ہوئے اور یہیں سے راہی ملک عدم ہوئے - صاحب دیوان تھے ؎

باغ عالم میں جو اوس شوخ نے پائیں آنکھیں — پوچھو نرگس سے کہ ایسی نظر آئیں آنکھیں

عاجز - میر غلام حیدر - متوطن دہلی - مقیم عظیم آباد - شاہ قدرت اللہ **قدرت** کے شاگرد تھے ؎

سوزش داغ کی میرے جو خبر گرم ہوئی — مہر سر کھولے ہوئے مارے جلن کے نکلا

عاشق - آغا حسین قلی خاں - خلف آغا علی خاں قاجار - وطن اصلی خراسان تھا - عظیم آباد میں پیدا ہوئے - سکندر آباد میں تحصیلداری کے عہدہ پر مامور تھے - تذکرہ "نشتر عشق" جس میں چودہ سو شعرائے ایران و ہندوستان کا تذکرہ ہے - انہیں کی تالیف سے ہے - مولانا وجیہہ الدین **عشقی** کے شاگرد تھے ؎

جس سے کہ میں پوچھوں ہوں مرا عشق کیا ہے — رو رو کے یہ کہتا ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

عسکری - سید محمد عسکری - خلف سید خورشید علی خورشید بلگرامی

سلسلہ ابوالعلائیہ سے منسلک تھے۔ اور مؤلف تذکرہ "آفتاب عالمتاب" کے زمانہ تک حیات تھے۔ راسخ عظیم آبادی سے تلمذ تھا ؎

در ساغر پیالہ و در دیدۂ پرخوں   ہر جا اثر نرگس جادوئے تو دیدم

کل چمن میں مری اشکوں سے بھر آئیں آنکھیں   یاد نرگس نے مجھے اون کی دلائیں آنکھیں

شاہ محمد ابوالحسن فرد

معروف بہ فرد الاولیا و خلف و جانشین حضرت شاہ محمد نعمت اللہ ولی۔ سجادہ نشین پھلواری۔ ۱۱۹۱ھ میں پھلواری میں پیدا ہوئے۔ جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے۔ فقہ۔ تفسیر۔ طب۔ اصول حدیث۔ معقول۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ ہیئت و ہندسہ سب میں اعلیٰ دستگاہ حاصل کی تھی۔ ابتدا میں اپنی غزلیں اپنے چچا زاد بھائی مولوی شاہ محمد نور الحق طپاں کو دکھاتے تھے۔ دو دیوان ضخیم فارسی کے آپ کی یادگار سے مطبوعہ ہیں۔ ۲۴ محرم ۱۲۶۵ھ میں انتقال کیا ؎

نگاہ مست تیری کسقدر خونریز عالم ہے   عبث آنکھوں کو تیری نرگس بیمار کہتے ہیں

عشق نے رسوا کیا یہاں تک مجھے   نام سے میرے حیا کو ننگ ہے

فرقتی۔ سید علی بخش عرف سید امیر جان خلف سید کریم بخش مولد دہلی۔ بارہ برس کے سن سے اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ عظیم آباد میں

آکر اقامت اختیار کی۔ ابتدا میں میر محمد مہدی **علیشی** سے استفادہ سخن کیا۔ آخر میں ناظر وزیر علی **عبرتی** کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہوئے ؎

من خراب جلوۂ سرو قبا پوش توام   تازہ پامال خرام ناز بہدوش توام

کیا پوچھتے ہو ہم نفسو ماجرائے دل   کانٹا سا کچھ کھٹکتا ہے پہلو میں جائے دل

فیض۔ نواب جعفر حسن خان۔ خلف نواب محمد علی خاں رئیس عظیم آباد۔ شاگرد **مصحفی**۔ خط نستعلیق و شفیعا میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے ؎

فیض اب اوس کو ندامت ہے نمک پاشی سے   تیرے زخموں نے عبث اوس پہ شکر خند کیا

رشتہ تسبیح اپنا ہو گیا تار نفس   ذکر ہو موقوف تیرا گر یہ دم بھر ٹوٹ جائے

مے پینے کی تہمت تو دے سکتا نہیں لیکن   آنکھوں میں گلابی سا ڈورا نظر آتا ہے

قصیر امیر اللہ۔ باشندہ عظیم آباد۔ تحصیل علم کے لئے لکھنؤ گئے تھے اور فن شاعری میں مرزا فاخر مکین سے تلمذ اختیار کیا ؎

رفتی عمت اے نگار باقی ست   داغ تو بیادگار باقی ست

افسوس کہ دست کوشش ما   از کار گذشت و کار باقی ست

کشتہ۔ مرزا محمد علی۔ متوطن عظیم آباد۔ تجارت پیشہ تذکرہ "آفتاب عالمتاب" کی تالیف کے زمانہ میں ان کی عمر پچاس سال کی تھی ؎

بیشود رنگیں ز خونِ غنچہ دامانِ نسیم   چوں نگیرد نالۂ بلبل گریبانِ نسیم

لطف - مرزا علی ولد کاظم بیگ خاں **ہجری** تخلص - متوطن استرآباد - والد ان کے ۱۱۵۴ھ میں نادر شاہ کے ساتھ ہندوستان آئے - بقول مولف تذکرہ "سخن شعرا" مرزا علی لطف نے عظیم آباد کے اطراف میں سکونت اختیار کی تھی" - کچھ دنوں دکن میں نواب اعظم الامرا رسطوجاہ کے یہاں ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار پر ملازم رہے - کچھ دنوں لکھنؤ اور مرشد آباد میں بھی رہے - صاحب "گلشن بے خار" نے ان کو شاگرد میر تقی **میر** اور صاحب "سخن شعرا" نے شاگرد مرزا رفیع **سودا** لکھا ہے - مگر ان دونوں باتوں میں کسی کا ثبوت نہیں پایا جاتا -

ان کا تذکرہ "گلشن ہند" جو زیادہ تر "تذکرہ گلزار ابراہیم" سے ماخوذ ہے ۱۲۱۵ھ میں مرتب ہوا - اور ریختہ کی قدیم نثر کا نمونہ ہے - ریختہ میں اس کے پیشتر کوئی تذکرہ سوائے تذکرہ **شورش** عظیم آبادی کے لکھا نہیں گیا تھا - ؎

دیکھ کل نبض مری رو کے لگا کہنے طبیب   کبھی میں نے تو یہ آزار نہ دیکھا نہ سنا

نہ پہونچی ضعف سے لب تک دعا وگرنہ سدا   در قبول تو اس آرزو میں باز رہا

ہو گئی زنجیر پا اپنی وہ زلف پرشکن   ورنہ دل تجھ سے کو دیتا کیا کوئی دیوانہ تھا

ساقی لگا دے خم مرے منہ سے کہ بار بار   احسان کون کھینچے سبو اور ایاغ کا

خاموشی ہماری کے تئیں سحر ہی جانو   گو ہم کو لگا لینے کا ڈھب کچھ نہیں معلوم

مجنوں - باشندہ عظیم آباد - ان کا نام اور کچھ حال معلوم نہ ہوا - میر **ضیا** کے شاگرد تھے ؎

دن میں سو سو بار اوس کے روبرو جانا مجھے   اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانہ مجھے

محزوں - میر ناصر جان محمدی - خلف سید محمد نصیر **رنج** دہلوی - ریاضی میں کمال رکھتے تھے - عظیم آباد میں انتقال کیا اور دہلی میں مدفون ہوئے ؎

نہ تو نامہ ہے نہ پیغام زبانی قاصد   حیف **محزوں** مجھے یاران وطن بھول گئے

محزوں - حکیم ابوالحسن - باشندہ عظیم آباد شاگرد **راسخ** - ۱۲۸۵ھ کے قریب انتقال کیا - ؎

آشیاں اپنا اٹھا لے یہاں سے ورنہ عندلیب   خندۂ گل ایک دن برق چمن ہو جائیگا

ہم جو چاہیں بھی کچھ اون سے تو اونہیں کو چاہیں   ماسوا سے نہیں کچھ کام طلبگاروں کو

محسن - خواجہ محمد محسن خلف خواجہ آفتاب احراری نقشبندی - رئیس عظیم آباد - شاگرد **راسخ** عظیم آبادی ؎

ناوک مژگاں سے تیرے منہ نہ موڑوں گا کبھی   صورت غربال گر چھن کر یہ تن ہو جائیگا

بس وہ اب دور سے بھی ایک نظر دیکھ چکے   پاس اغیار کے بیٹھا ہو تو ادھر دیکھ چکے

منشا - مرزا احمد - سید انشاء اللہ خاں کے داماد تھے -

عظیم آباد میں آکر اقامت اختیار کی۔ بقول مولف "حیات فریاد" ان کو ایک خبط یہ تھا کہ اپنے کو حضرت مہدی آخر الزماں کا نائب کہتے تھے۔ اور اس دعوی کی دلیل میں سنکھیا اور دیگر زہر چبا کر کھا جاتے تھے اور زہر کے بعد چھپا کر فادزہر پھانک لیتے تھے واللہ اعلم بالصواب ؎

پھنک رہا ہو جہاں قبر میں ابھرنا کیا   وہ جنازہ ہی نہ دیکھیں تو مرا مرنا کیا

منصف۔ منصف علی خاں۔ باشندہ عظیم آباد۔ قوم افغان شاگرد نظام خاں **معجز** ؎

خیال جائے ترا کیونکہ میرے سینے سے   جدا ہوا ہے کہیں نقش بھی نگینے سے

مہدوی۔ نواب مہدی علی خاں۔ خلف نواب جعفر حسن خاں **فیض** رئیس عظیم آباد۔ شاگرد **راسخ** عظیم آبادی ؎

جب شگفتہ لالۂ خونیں کفن ہو جائے گا   بے ستوں پر تازہ خون کوہکن ہو جائے گا

ہے محیط اس مرتبہ تک فیض اوس کے نور کا   ہر شرر ہر سنگ میں ہمسر چراغ طور کا

نثار۔ میر افضل علی۔ باشندہ عظیم آباد ؎

یہی خوف رہتا ہے بسمل کے دل میں   ترحم نہ آجائے قاتل کے دل میں

اے صبا جاکے تو اتنی تو خبر کر کہ **نثار**   آستانے پہ کھڑا ہے ترے سر با قدمیں ہے

وجد۔ سید شاہ امیر الدین ؒ ابن حضرت سید شاہ ولی اللہ سجادہ نشین حضرت مخدوم الملک۔ بہار شریف۔ ۱۲۳۰ھ میں پیدا ہوئے

شعر گوئی کا ذوق کم سنی سے تھا۔ فارسی کے دو ضخیم دیوان مشتمل بر اصناف سخن چھپ چکے ہیں۔ آپ فارسی میں **ظلوم** اور اردو میں **وجد** تخلص فرماتے تھے۔ آپ کا وصال ۱۲۸۷ھ میں ہوا۔

کلام اردو کا مجموعہ ایک دیوان اور دو مثنویاں ہیں۔ اس مقام پر صرف اردو غزلوں کا انتخاب درج ہے ؎

جب کہ **وجد** قفل نے اسکے مدد نہ کی   سیدھا کسی سے طالع واژوں نہو سکا

دھواں اٹھا تھا نہ جب تک جگر سے عاشق کے   پیچ و تاب یہ کہاں زلف پر شکن میں تھا

بے یار کے جینے سے تو مرنا ہی بھلا ہے   اب جان میری تن سے نکل جائے تو اچھا

وہ لوگ اٹھ گئے جنہیں تھا پاس دوستی   اب دہر میں وفا کا فقط نام رہ گیا

کب دل میں حسن باطل یوں جلوہ گر رہیگا   گر شاہد حق اپنے پیش نظر رہیگا

تماشا ہے کہ جسکو چشم عالم سے نہاں پایا   اسی کا جلوۂ حسن نہاں ہر سو عیاں پایا

رولایا چٹکیاں لے لیکے اتنا **وجد** پیری نے   لڑکپن کے گدگدی جتنا جوانی نے ہنسایا تھا

بیقراری دل سے ہوں مجبور   اس میں کچھ اپنا اختیار نہیں

بند میری ہی زباں کیا یار کی محفل میں ہے   شمع سے پروانہ تک تو سب کی دل ہی دل میں ہے

مرے دیدہ کی حالت دیدۂ یعقوب جانے ہے   حقیقت درد کی ہمدرد ہی کچھ خوب جانے ہے

وحشی۔ میر وحشی۔ متوطن دہلی۔ مقیم عظیم آباد ؎

اپنے ملنے سے منع مت کر تو   اس میں بے اختیار ہے یہ دل

وحشتی ۔ شاہ بخشش حسین ۔ خلف شاہ احمد حسین متوطن موضع تلاڑھ ۔ ضلع عظیم آباد ۔ مولد قصبہ شیخ پورہ ۔ آبا و اجداد مشائخ عظام میں تھے ۔ علم عروض و قوافی اور محسنات و بدایع میں کامل دستگاہ حاصل تھی ۔ آخر عمر میں لکھنؤ گئے تھے اور کچھ دنوں کے بعد ۹ ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۲۶۲ھ کو وہیں انتقال کیا ؎

صد خضر سیر چاہ زنخداں تو پابند　　یوسف بہ خم کاکل پیچاں تو پابند
ہیں مہر دل وحشتی خستہ کہ خونش　　تا حشر بہر گوشۂ داماں تو پابند

یاس ۔ مولوی انور علی ۔ مفتی عدالت قصبہ آرہ ۔ ولد شیخ محمد حیات ۔ شاگرد راسخ عظیم آبادی ۔ مصوری و نغمہ پردازی اور ساز نوازی میں اچھی دستگاہ تھی ۔ مگر بعد تحصیل علوم ان چیزوں سے کنارہ کش ہو کر کمال زہد و تقوی کے ساتھ اوقات بسر کرتے رہے ۔ دیوان فارسی چھپ گیا تھا تقریباً سنہ ۱۲۸۰ھ میں انتقال کیا ؎

کیونکر کہیں نہ میر تمہیں رسوا نہ کریں گے　　گر دیدہ و دل ہیں تو کیا کیا نہ کریں گے

مرغان چمن سب ہی ثنا خواں ہیں گل کے　　پر یہ نہیں معلوم کہ سر کان ہیں گل کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تیسرا دور

طبقۂ متوسطین

سنہ ۱۲۵۱ھ سے سنہ ۱۳۰۰ھ تک

(بہ ترتیب حروف تہجی)

احسن ۔ ناظر علی احسن ۔ ساکن علی گنج سیوان ضلع سارن ۔ سال غدر میں صفیر بلگرامی کے شاگرد ہوئے ۔ ایک واسوخت بھی ان کی تصنیف سے ہے ؎

کوچہ میں کیوں ہجوم ہیں ارباب دید کے　　اب ماہ تو تمہیں تو نہیں چاند عید کے

احمد ۔ سید احمد حسین رضوی عرف کلو میاں ولد سید رضا حسین رئیس عظیم آباد ۔ کوچہ چوالال ۔ سنہ ۱۲۹۲ھ میں صفیر بلگرامی سے تلمذ اختیار کیا ؎

رگوں میں بے خودوں کی خون کے قطرے اچھلتے ہیں　　نکلتی ہے صدا جب ناچنے میں تیرے گھنگرو سے

آشنا ۔ مولوی عبد الکریم ۔ متوطن مونگیر ۔ فوت ویم

کلکتہ میں منشی تھے ۱۲۹۳ھ میں انتقال کیا ۔

جو قطرہ خون کا مژہ دل کے داغ سے ٹپکا — تو گویا شعلۂ تر ایک چراغ سے ٹپکا

اصدق میر جان علی ساکن مفتی گنج ضلع پٹنہ شاگرد **صفیر** بلگرامی ۔ شاہ غلام اصدق صاحب کے مرید تھے ۔

ہم رکھتے ہیں دونوں عکس و آئینہ کی کیفیت — رخ روشن ہاں اوس کا دل روشن یہاں اپنا

اصغر ۔ سید محمد اصغر ابن سید حسین بلگرامی مقیم آرہ ۔ سید محمد مہدی **خبیر** بلگرامی کے بھانجے تھے ۔ اور صاحب دیوان تھے حضرت **صفیر** بلگرامی سے تلمذ تھا ۔

آج کہدیں گے ساری محفل میں — بات جو ہم نے رکھی ہے دل میں

جگر سے خوں ۔ دل سے آہ ۔ آنسو دیدۂ تر سے — جناب عشق کی جاری ہے یہ تحصیل گھر گھر

آصف ۔ سید آصف حسین رئیس عظیم آباد ۔ شاگرد مولانا **وحید** الہ آبادی ۔

دل میں جو بے ثباتی دنیا کا ہو یقیں — بھولے سے کوئی نام نہ لے عز و جاہ کا

اظہر ۔ اظہر علی خاں متوطن داناپور ۔

اُلٹے نقاب رخ سے جو اوس رشک ماہ کا — کھل جائے عقدہ اشہد ان لا الہ کا

اکبر ۔ سید محمد اکبر بلگرامی ۔ مقیم آرہ ۔ شاگرد **صفیر** بلگرامی سید محمد **اصغر** کے بڑے بھائی تھے ۔

کہاں تک خواب غفلت میں ہو جاگو اے **اکبر** — وہ سو جائے تکیہ میں جو سوتے تھے چھپرکٹ میں

اکرام ۔ سید اکرام الدین ساکن داؤد نگر علاقہ بہار شاگرد **صفیر** بلگرامی ۔

شہرہ یہ ہو رہا ہے زمین و زمن میں آج — ثانی نہیں کوئی مرا دیوانہ پن میں آج

الفت ۔ لالہ اننت رام ۔ متوطن عظیم آباد ۔

کچھ غم نہیں فراق کے روز سیاہ کا — ہے دل میں عشق ایک بت رشک ماہ کا

الہی ۔ الہی بخش باشندہ عظیم آباد ۔

معشوق جانتا نہیں عاشق کے دل کا لطف — یوسف کو کیا مزا ہے زلیخا کی چاہ کا

امام ۔ سید امام الدین ۔ متوطن عظیم آباد محلہ لودی کٹرہ شاگرد مولانا **وحید** الہ آبادی ۔

روز حساب دیکھئے ہوتا ہے کیا حساب — جب کچھ یہاں حساب نہیں ہے گناہ کا

پھرتا ہے اس کو خوب گل حسن یار سے — مشکل یہ ہے کہ تنگ ہے دامن نگاہ کا

امیر ۔ سید امیر احمد بلگرامی ۔ حضرت **صفیر** کے خالہ زاد بھائی اور شاگرد تھے ۔

کیا خبر اتنی تجھے او ستم ایجاد نہیں — آج پہلو میں ہمارے دل ناشاد نہیں

امیر ۔ سید محمد نواب خلف نواب حاجی سید محمد تقی خاں صاحب رئیس اعظم مظفرپور ۱۲۸۷ھ میں **صفیر** بلگرامی کے شاگرد ہوئے

دیوان ردیف وار مرتب تھا ؂

جب بھٹکنے ہم لگے شہر بتاں میں اے امیر　　حضرت دل خضر بنکر راہ بتلانے لگے

انجم ۔ مولوی عبدالحق ۔ متوطن شیخ پور پرگنہ سکندرپور ۔ مرزا رجب علی بیگ **سرور** لکھنوی ۔ مصنف "فسانہ عجائب" کے شاگرد تھے ۔ نثر نگاری میں اچھی مہارت حاصل تھی ۔ کنور سکھراج بہادر **رحمتی** نے ۱۸۷۶ء میں جو مشاعرے کئے تھے اون کے گلدستوں پر تقریظیں انہیں کی لکھی ہوئی ہیں ؂

نہ تو بجلی میں نہ شعلے میں نہ سیماب میں ہے　　بے قراری جو ہمارے دل بے تاب میں ہے

انور ۔ مرزا انور علی متوطن عظیم آباد ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے ؂

لائی نہ کبھی پیرہن یار کی خوشبو　　اے باد صبا چل مرے آگے سے ہوا ہو

ہر سمت ہے ہو جلوہ فگن یار کی صورت　　آئینۂ خاطر میں اگر کچھ بھی جلا ہو

باقر ۔ سید شاہ باقر حسین ۔ خلف سید شاہ وارث علی **آشکی** ۔ متوطن موضع پیر بیگہ ضلع گیا ۔ فارسی کے ذی کمال شاعر تھے حضرت **غالب** سے تلمذ تھا ۔ یہ اشعار ان کی طرف منسوب ہیں ؂

شکل تصویر ہو خاموش تماشا کیا ہے　　بیٹھے بیٹھے کھچے جاتے ہو یہ نقشہ کیا ہے

تمہاری دید کی حسرت میں کھو جان جائیگی　　کھلی رہ جائینگی آنکھیں نکل جائیگا دم اپنا

کلیجہ تھامے ہاتھوں سے مرے گھر روز آوگے　　کسی دن تو اثر دکھلائیگا اندوہ و غم اپنا

باقر ۔ باقر حسین ۔ اصل نام وجیہہ الدین ہے ۔ شاگرد حضرت **وحید** الہ آبادی ؂

دیر و حرم سے جس کا زیادہ ہو مرتبہ　　سنتے ہیں دل ہو نام اوسی بارگاہ کا

باقر ۔ منشی باقر رضا ولد قاضی اکبر علی منصف پٹنہ ۔ مولوی عصمت اللہ **انسخ**[۱] کے شاگرد تھے ؂

روز وعدہ کرتے ہو آنے کا پر آتے نہیں　　قول کب پورا ہو صاحب تم سے فقرہ باز کا

باقر ۔ سید باقر حسین رئیس مظفرپور ۱۲۸۷ھ میں **صفیر** بلگرامی کے شاگرد ہوئے ؂

ہچکیاں آتی ہیں پیہم دم فریاد مجھے　　ہم صفیروں نے کہیں آج کیا یاد مجھے

بحر ۔ نواب احمد علی خاں رئیس عظیم آباد محلہ سنگی دالان **ناسخ** سے تلمذ تھا ؂

کشتی نوح بھی آئے تو نہ ساحل ہو نصیب　　دیدۂ تر نے کیا میرے وہ طوفاں پیدا

[۱] مولوی عصمت اللہ انسخ متوطن ہوگلی ۔ مولوی عبدالغفور نساخ کے شاگرد تھے ۔ رسالہ "طومار اغلاط" جس میں تمام اساتذہ لکھنؤ کے کلام پر اعتراضات ہیں انہیں کی تصنیف سے ہے ؂

جلوہ گر زلف ہے اوس یار کے رخسار پر روز　　یا کہ گھنگھور گھٹا چھائی ہے گلزاروں پر

لخت دل ہیں سر مژگاں پہ عیاں اے انسخ　　پھول لالہ کے نمودار ہیں یا خاروں پر

باقر ۔ باقر حسین۔ اصل نام وجیہہ الدین ہے۔ شاگرد حضرت **وحید** الہ آبادی ہے ؎

دیر وحرم سے جس کا زیادہ ہو مرتبہ　　سنتے ہیں دل ہو نام اوسی بارگاہ کا

باقر ۔ منشی باقر رضا ولد قاضی اکبر علی منصف پٹنہ۔ مولوی عصمت اللہ انسخ[1] کے شاگرد تھے ؎

روز وعدہ کرتے ہو آنے کا پر آتے نہیں　　قول کب پورا ہو صاحب تم سے فقرہ باز کا

باقر ۔ سید باقر حسین رئیس مظفر پور ۱۲۸۷ھ میں **صفیر** بلگرامی کے شاگرد ہوئے ؎

ہچکیاں آتی ہیں پیہم دم فریاد مجھے　　ہم صفیروں نے کہیں آج کیا یاد مجھے

بحر ۔ نواب احمد علی خاں رئیس عظیم آباد محلہ سنگی دالان ناسخ سے تلمذ تھا ؎

کشتی نوح بھی آئے تو نہ ساحل ہو نصیب　　دیدۂ تر نے کیا میرے وہ طوفاں پیدا

[1] مولوی عصمت اللہ انسخ متوطن ہوگلی۔ مولوی عبد الغفور نساخ کے شاگرد تھے۔ رسالہ "طومار اغلاط" جس میں تمام اساتذہ لکھنؤ کے کلاموں پر اعتراضات ہیں انہیں کی تصنیف سے ہے ؎

جلوہ گر زلف ہوا وس یار کے رخسار پر　　یا کہ گھنگھور گھٹا چھائی ہو گلزاروں پر
لخت دل ہیں سر مژگاں پہ عیاں اے انسخ　　پھول لالہ کے نمودار ہیں یا خاروں پر

بدر ۔ راجہ گنگا پرشاد۔ رئیس عظیم آباد۔ شاگرد گل محمد خاں **ناطق** مکرانی ؎

ناخدا ترس بتاں اند کہ از سنگدلی　　شیشۂ دل بہ شکستند وہمانم دادند

بسمل ۔ منشی منولعل۔ متوطن عظیم آباد۔ قوم کایتھ ؎

دیکھا کبھی نہ بھر نظر اس خوف سے اونہیں　　دھبا لگے نہ گورے بدن پر نگاہ کا

بشیر ۔ منشی بشیر الحق۔ رئیس قصبہ باڑھ۔ ضلع عظیم آباد شاگرد حضرت **وحید** الہ آبادی ؎

زخمی ہوا ہے پھر کوئی تیغ نگاہ کا　　سنتے ہیں آج دیر سے غل آہ آہ کا

بیجان ۔ شیخ الٰہی بخش۔ دانا پور میں ڈاکٹری کرتے تھے حافظ **ضیغم**[1] کے شاگرد تھے ؎

شاعروں کی ہمت پر آسماں بھی حیراں ہے　　یعنی وہ بدلتے ہیں جب زمیں پرانی ہو

بیکس ۔ مرزا محمد۔ ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ سید انشاء اللہ خاں کی ہجو میں یہ رباعی ان کی طرف منسوب ہے ؎

[1] حافظ اکرام احمد ضیغم۔ متوطن رام پور۔ تلمیذ احمد حسین راحت بڑے نامور اور باکمال شاعر تھے۔ اُردو اشعار میں صنائع وبدائع جسقدر ان کے کلام میں پائے جاتے ہیں کمتر شعرا کے کلام میں دیکھے گئے۔ صوبہ بہار و بنگال میں انکے شاگردوں کی بہت کثیر تعداد تھی۔ پچاس برس کی عمر میں ۱۲۹۸ھ میں انتقال کیا۔

آپ کے والد ماجد مولانا احمد اللہ صاحب اور ان کا خاندان علمی اور تاریخی دونوں حیثیت سے ہندوستان میں ممتاز رہا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد جب گورنمنٹ کی طرف سے وہابیوں پر مقدمہ بغاوت دائر ہوا تو اسی سلسلہ میں آپ کے والد ماجد مولانا احمد اللہ صاحب کو بھی ۱۸۶۵ء مطابق ۱۲۸۱ھ میں مع دیگر اراکین صادقپور کے حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ اور موروثی جایداد بھی ضبط ہو گئیں تو آپ نے محلہ خواجہ کلاں میں سکونت اختیار کی۔

آپ کو معقول و منقول دونوں میں بہرۂ کامل حاصل تھا۔ علم ادب میں ایسی اعلیٰ دستگاہ تھی کہ سولہ برس کی عمر میں عربی میں دو قصیدے۔ ایک لغت میں۔ اور ایک امام وقت حضرت سید احمد صاحب شہیدؒ بریلوی کی مدح میں لکھے تھے۔ جن کی علمائے ہند نے داد تحسین دی۔ دور گذشتہ میں جتنے لوگ اہل صادقپور میں ذی علم تھے وہ سب آپ ہی کے خرمن علم کے خوشہ چیں تھے۔ درس و تدریس کا شوق آخر عمر تک رہا۔ ذہن و ذکا اور طبی معلومات میں بھی مشہور آفاق تھے۔ علوم عربیہ کے ساتھ طب قدیم کا فیض اسوقت تک اس دیار میں آپ کی ذات بابرکات سے جاری ہے۔ آپ کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ دونوں نواسوں یعنی حکیم فہیم الدین احمد فہیم

مرحوم۔ اور ڈاکٹر عظیم الدین احمد عظیم سلمہ اللہ تعالیٰ کو بجائے اولاد کے سمجھتے تھے۔

فطرتاً معصوم صفت ایسے واقع ہوئے تھے کہ ہر شخص کی ہر بات پر اعتبار اور یقین کامل کر لیتے تھے۔ بعض لوگ محض جھوٹ باتیں بنا کر ان سے رقم کثیر حاصل کر لیتے تھے۔ اسی کے ساتھ طبیعت نکتہ رس اور لطیفہ سنج بھی تھی۔ ایک مرتبہ کوئی سائل دروازہ پر چلاّ کر کہنے لگا کہ ایک پیسہ بھیجدو تمہاری ستر بلا ٹل جائیگی۔ تو ہنسکر کہنے لگے کہ ایک بلا تو تم ہی ہو۔

صاف باطنی اور صاف گوئی کے باعث کوئی ان کا شاکی نہ ہوتا تھا۔ وضع قطع اور لباس بالکل سادہ قدیمانہ طرز کا تھا اوسط قد۔ رنگت سرخ و سفید۔ جسم پر بعض جگہ برص کے سفید داغ بھی تھے۔ نورانی چہرہ۔ فرشتہ صورت۔ سر پر چوگوشیہ ٹوپی اور سپر عمامہ پرانی وضع کی چپکن اور عبا۔ ٹخنوں سے اونچا خلطہ دار پاجامہ۔ پاؤں میں دیسی دلّی وال جوتے۔ راقم کے بزرگوں سے راہ و رسم اور آمد و رفت برابر رہا کرتی تھی۔ ۸۷ برس کی عمر پا کر ۵ رجمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق ۷ راگست ۱۹۰۵ء روز دوشنبہ کو اس دار فانی سے انتقال کیا۔ شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے۔ عربی فارسی اردو تینوں

مرحوم۔ اور ڈاکٹر عظیم الدین احمد عظیم سلمہ اللہ تعالیٰ کو بجائے اولاد کے سمجھتے تھے۔

فطرتاً معصوم صفت ایسے واقع ہوئے تھے کہ ہر شخص کی ہر بات پر اعتبار اور یقین کامل کر لیتے تھے۔ بعض لوگ محض جھوٹ باتیں بنا کر ان سے رقم کثیر حاصل کر لیتے تھے۔ اسی کے ساتھ طبیعت نکتہ رس اور لطیفہ سنج بھی تھی۔ ایک مرتبہ کوئی سائل دروازہ پر چلا کر کہنے لگا کہ ایک پیسہ بھیجدو تمہاری ستر بلا ٹل جائیگی۔ تو ہنسکر کہنے لگے کہ ایک بلا تو تم ہی ہو۔

صاف باطنی اور صاف گوئی کے باعث کوئی ان کا شاکی نہ ہوتا تھا۔ وضع قطع اور لباس بالکل سادہ قدیمانہ طرز کا تھا اوسط قد۔ رنگت سرخ و سفید۔ جسم پر بعض جگہ برص کے سفید داغ بھی تھے۔ نورانی چہرہ۔ فرشتہ صورت۔ سر پر چوگوشیہ ٹوپی اوپر عمامہ پرانی وضع کی چپکن اور عبا۔ ٹخنوں سے اونچا خلطہ دار پاجامہ۔ پاؤں میں دیسی دلی وال جوتے۔ راقم کے بزرگوں سے راہ و رسم اور آمد و رفت برابر رہا کرتی تھی۔ ۸۰ برس کی عمر پا کر ۵ رجمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق ۷ راگست ۱۹۰۵ء روز دوشنبہ کو اس دار فانی سے انتقال کیا۔ شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے۔ عربی فارسی اور اردو تینوں

زبانوں میں فکر سخن کیا ہے عربی میں ایک قصیدہ جو ندوۃ العلما کے اجلاس عظیم آباد میں پڑھا گیا تھا چھپ گیا تھا۔ فارسی میں متفرق غیر مطبوعہ مثنویاں مثلاً مثنوی پان۔ مثنوی در وصف قلم مثنوی فسانہ جانگداز۔ مثنوی جام و مینا۔ مثنوی طعن الحاسدین وغیرہ راقم الحروف کی نظر سے گذریں جنکو ڈاکٹر عظیم الدین احمد صاحب عنقریب طبع کرانے کا قصد رکھتے ہیں۔

اردو کا کلام زیادہ تر تلف ہو گیا۔ آخری دور میں اخبار پنچ میں اکثر انکی نظمیں اور ساقی نامے وغیرہ دلچسپی کے ساتھ پڑھے جاتے تھے۔ اب غزلوں کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

گلوں کو۔ پھول گئی دیکھکر چمن میں صبا — بس اب سماتی نہیں اپنے پیرہن میں صبا
الجھ کے رہ گئی گیسوئے پرشکن میں صبا — خدا کی شان ہے لو بندھ گئی رسن میں صبا
ہوائے کاکل مشکیں میں ہو گئی برباد — بگولا بنکے پڑی پھرتی ہے چمن میں صبا
زمین تنگ میں رکتی نہیں ہے طبع رواں — کسی سے بندھ نہیں سکتی کبھی رسن میں صبا
تموز دشت میں آئے تو حال ہو معلوم — یہ ٹھنڈی گرمیاں کرتی رہے چمن میں صبا
لپٹ کے پتوں سے دیتی ہے واہ وا کی صدا — جواب دیتی ہے بلبل کا ہر سخن میں صبا
تو بادپائی میں بس اوس کی ہمسری کر لے — وہ شوخی تجھ میں کہاں جو کہ ہے ہرن میں صبا
عجب دماغ سے چلتی ہے سیر گلشن میں — تراشتی ہے کچھ اپنے کو بانکپن میں صبا

مرگ نامرادی زندگی سوز و الم — کون سی صورت میں یہ دود چراغ کشتہ ہے
الحذر اے ساکنان سقف گردوں الحذر — دود دل ہے یہ نہیں دود چراغ کشتہ ہے

وہ غنچہ لب ہنسا تو کھلا مثل گل دہن — شیشہ جو کھلکھلا کے ہنسا جام ہو گیا

کیا پریشاں کا پوچھتے ہو حال   مر گیا وہ تمہیں خبر ہی نہیں

رباعی

ایدل یہ نشاط کامرانی کبتک   شعر و سخن و فسانہ خوانی کبتک
لائے گا دردسر خمار پیری ؎   یہ نشۂ بادۂ جوانی کبتک

نمونہ کلام فارسی

قامت افراز نیازم بہ خمیدن بیتاب   بسمل خنجر نازم بہ طپیدن بیتاب
شب یلدائے فراقم زگذشتن مایوس   صبح محرومی و یاسم بہ دمیدن بیتاب
دیدۂ پر ز سرشکم بہ گرستن لبریز   سینۂ باہمہ داغم بہ کفیدن بیتاب
دست بربستۂ عجزم ز رسیدن کوتاہ   پائے بشکستۂ شوقم بہ دویدن بیتاب

زسال نوجہاں پرضو۔ زمیں پرغو زخنیاگر   چمن پرگل و سمن خوشبو۔ زمن نیکو۔ دمن احمر
زہے فرخندہ ترسالے۔ زہے سال نکو فالے   بعالم نیست بدحالے۔ کہ باشد در الم ششدر
نشاط و خرمی چیرہ۔ الم را چشمہا خیرہ   جفا را روزہا تیرہ۔ جہاں را در دہاں شکر
زفیض مقدمش برما۔ خنک شد عیشہ سرما   زرشکش در دل گرما۔ ہمہ آتش ہمہ آذر
چہ کہسار و چہ دشت و شخ۔ فتادہ برف و بستہ یخ   ززم سرو آتش دوزخ۔ خنک سکان بحر و بر
چمن تر از دو فور نم۔ بوستہا ازو درہم   رخ گلہا پر از شبنم۔ چہ شبنم دانۂ گوہر
زہے فرخندہ سال نو۔ زہے کسب صفا و بشنو   زہے سال ہما پرتو۔ زہے سال ہمایوں فر

تائب۔ منشی بھگوان دین۔ ولد منشی منگل سین قوم کائستھ ساکن ادریا ضلع پورنیہ۔ تلمیذ منشی شنکر لال صبا نزدوی ۱۲۷۱ھ میں ۵۲ برس کی عمر میں انتقال کیا ؎

باغ دنیا میں وہ شجر ہیں ہم   پھولتے ہیں کبھی نہ پھلتے ہیں
ڈھونڈتا ہوں اونھیں جو اے تائب   خانۂ دل میں وہ نکلتے ہیں

تبارک۔ تبارک حسین ابن میر قاسم علی باشندہ سہسرام۔ شاگرد ناسخ ؎

فرقت دلدار میں دل بھی ہوا مجھ سے جدا   جس کو اپنا جانتا تھا حیف بیگانہ ہوا

تحسین۔ سید حبیب اللہ متوطن عظیم آباد ؎

جو کچھ طلب ہے ہو قناعت پسند ہوں   یہ بوریا فقیر کا ہے تخت شاہ کا

تسکین۔ نام معلوم نہیں عظیم آباد میں رہتے تھے ؎

کعبہ گئے کنشت گئے دیر ہو گئے   واں بھی نشاں نہ پایا تری جلوہ گاہ کا

تسلیم۔ میاں مہدی بخش۔ عدالت بھاگلپور میں محرر تھے حضرت فریاد سے تلمذ تھا۔ ناسخ کے مقابلے کے خیال سے ناسخ کے رنگ میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ دیوان ردیف وار مرتب تھا ؎

یہ داغ سینہ اور یہ چشم گریاں دیکھتے جاؤ   چمن کی سیر کر لو ابر و باراں دیکھتے جاؤ
تا فلک پھیل گیا آب مرے رونے سے   کف بنا پنبۂ مہتاب مرے رونے سے

تقی۔ سید محمد تقی۔ متوطن عظیم آباد۔ شاگرد نواب مہدی علی خاں مہدی ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے ؎

اتنا اثر تو نالہ و فریاد میں ہوا   پوچھا پتہ جو اوس نے مرے گھر کی راہ کا

تمکین۔ میر سعادت علی۔ وطن اصلی عظیم آباد تھا۔ غدر سے

باغ دنیا میں وہ شجر ہیں ہم | پھولتے ہیں کبھی نہ پھلتے ہیں
ڈھونڈتا ہوں اونھیں جو ای تابؔ | خانۂ دل میں وہ نکلتے ہیں

تبارکؔ۔ تبارک حسین ابن میر قاسم علی باشندہ سہسرام۔ شاگرد ناسخؔ ہ

فرقت دلدار میں دل بھی ہوا مجھ سے جدا | جس کو اپنا جانتا تھا حیف بیگانہ ہوا

تحسینؔ۔ سید حبیب اللہ متوطن عظیم آباد ہ

جو کچھ ملا بہت ہی قناعت پسند ہوں | یہ بوریا فقیر کا ہی تخت شاہ کا

تسکینؔ۔ نام معلوم نہیں عظیم آباد میں رہتے تھے ہ

کعبہ گئے کنشت گئے دیر میں گئے | واں بھی نشاں نہ پایا تری جلوہ گاہ کا

تسلیمؔ۔ میاں مہدی بخش۔ عدالت بھاگلپور میں محرر تھے
حضرت فریادؔ سے تلمذ تھا۔ ناسخؔ کے مقابلے کے خیال سے ناسخؔ
کے رنگ میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ دیوان ردیف وار مرتب تھا ہ

یہ داغ سینہ اور یہ چشم گریاں دیکھتے جاؤ | چمن کی سیر کرلو ابر و باراں دیکھتے جاؤ
تا فلک پھیل گیا آب مرے رونے سے | کف بنا پنبۂ مہتاب مرے رونے سے

تقیؔ۔ سید محمد تقی۔ متوطن عظیم آباد۔ شاگرد نواب
مہدی علی خاں مہدوی ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے ہ

اتنا اثر تو نالہ و فریاد میں ہوا | پوچھا پتہ جو اوس نے مرے گھر کی راہ کا

تمکینؔ۔ میر سعادت علی۔ وطن اصلی عظیم آباد تھا۔ غدر سے

چند سال پیشتر دہلی چلے گئے تھے۔ تقریباً ۱۲۱۵ھ کی پیدائش تھی ہ

گر نشہ ہی یہی نگہہ میں تری | مے کے پینے کی احتیاج نہیں

نام تمکیںؔ ہوا تو کیا ہمدم | رات دن بے قرار رہتا ہوں

تمکینؔ۔ میر عبدالحکیم۔ متوطن قنوج۔ مقیم عظیم آباد۔ جناب حکیم ہادی حسن
خاں صاحب نایابؔ کے یہاں اکثر بود و باش رہتی تھی۔ شعر فی البدیہہ کہتے تھے ہ

کیا کیا کنوئیں جھکائے ہیں مجکو فراق میں | یارب برا ہو چاہ زنخداں کی چاہ کا
یوں بھی کوئی نکھر کے نکلتا ہے سیر کو | دیکھو تو پھر کے حال ہی کیا اہل راہ کا
خود گڑ گئی زمیں میں لاش اپنی بعد مرگ | قاروں کا مال تھا کہ ذخیرہ گناہ کا

کیا بیاں کیجیے کس کس سے رقابت نکلی | ایک جہاں کو بت عیار سے الفت نکلی
اوس کی تقریر بھی خالی نہیں عیاری سے | جو کبھی بات نکلی محتاج صراحت نکلی
کل جو ایک قبر پہ دیکھا تھا ہجوم حسرت | وہ ترے عاشق ناکام کی تربت نکلی

تمناؔ۔ سید بندہ حسن برادر اکبر سید امیر احمد امیرؔ۔ شاگرد صفیرؔ بلگرامی ہ

قلم کرے جو مرا سر وہ تیغ براں سے | کبھی نہ پاؤں ہٹاؤنگا اپنے میداں سے

تمناؔ۔ مرزا علی رضا۔ متوطن عظیم آباد ہ

آتا نہیں میں آپ سے کوچہ میں یار کے | لاتا ہی کھینچکر مجھے بے اختیار دل

توقیرؔ۔ میر عبدالعلی۔ متوطن قنوج پیشہ خوشبو سازی۔ غدر کے پیشتر سے عظیم آباد
میں مستقل طور پر سکونت پذیر تھے۔ ۱۳۰۳ھ میں ساٹھ سال سے متجاوز تھی۔ مرثیہ تحت اللفظ بھی

پڑھتے تھے۔ میر علی اوسط رشک لکھنوی کے شاگردوں میں تھے۔ ؎

جب سے طوفاں خیز میرا دیدۂ تر ہو گیا — مردم آبی کے رہنے کے لئے گھر ہو گیا
رہ گئی جمعیت پروانہ بے غسل و کفن — شمع کا منہ آنسوؤں سے بزم میں تر ہو گیا

ثاقب۔ راجہ جے گوپال سنگھ بہادر۔ رئیس عظیم آباد ؎

لذت وصف دہانش بہ زبانم دادند — آب حیواں بہ دہانم ز بیانم دادند

جادو۔ سلیمان خاں۔ خلف حیدر خاں۔ ساکن کواتھ ضلع آرہ مقیم گیا۔ اکثر سلیمان تخلص بھی کرتے تھے صاحب دیوان و صاحب تلامذہ تھے۔ مولوی کیفی گیاوی سے تلمذ تھا ؎

کنج قفس میں اب یہی خواہش ہے اے نسیم — ایکبار اور دیکھتے عالم بہار کا
کیا آئیگا لحد پہ ہمارے وہ شعلہ رو — ہنستا ہے کیوں چراغ ہمارے مزار کا
بلبلو تجھ دل جلے کو ہے کسی سے کام کیا — آگ گلشن میں لگے یا گھر جلے صیاد کا
زمانے کا جھکا سر دیکھتا ہوں — ادب آموز قاتل کی گلی ہے

جنوں۔ مولوی عبداللہ۔ خلف مولوی سرفراز علی منصف۔ باشندہ بھاگلپور۔ عہدہ صدر امینی پر ممتاز تھے۔ مرزا جان طپش سے تلمذ تھا۔ بیشتر فارسی کہتے تھے ؎

رخ سے اٹھی نظر تو پڑی جا کے زلف پر — ٹھہرے ہے شام ہی کو مسافر نگاہ کا

جنوں۔ مولوی عبدالحی خلف مولوی واعظ الحق صاحب مرحوم رئیس عظیم آباد محلہ بخشی۔ مشورہ سخن حضرت شاد عظیم آبادی سے کیا تھا ؎

گر دل میں نہیں ہے عشق کی آگ — سینہ میں ہے کیوں جلن ہمیشہ
ہم سے نہ کبھی وہ ہنسکے بولے — ماتھے پہ رہی شکن ہمیشہ

جوشش۔ شاہ خلیل الدین احمد خلف شاہ محمد اصغر باشندہ منیر۔ رجسٹری ضلع مونگیر میں محرر تھے۔ شاعری میں نساخ[1] کے شاگرد تھے۔ ۱۲۷۵ھ کے بعد تک موجود تھے ؎

ساری دنیا سے بے خبر پایا — جس کو عالم میں باخبر دیکھا
مرا خط لا کے دے قاصد عدو کو — یہی تقدیر کا میرے لکھا ہے

---

[1] مولوی عبدالغفور خاں نساخ ڈپٹی مجسٹریٹ ولد قاضی فقیر محمد مؤلف جامع التواریخ بنگالہ کے رہنے والے نواب محمد عبداللطیف خاں بہادر سی، آئی۔ ای کے برادر خورد تھے۔ عظیم آباد اور صوبہ بہار کے دیگر شہروں میں سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں عرصہ دراز تک مقیم رہے۔ لکھنؤ اور دلی بھی گئے تھے۔ تذکرہ "سخن شعرا" اور اردو کے دو دیوان اور گنج تواریخ۔ شاہد عشرت۔ مرغوب دل۔ قند پارسی۔ دفتر بے مثال (۱۲۹۱ھ)۔ اور قطعہ منتخب وغیرہ ان کی یادگار رہے ہیں۔ صوبہ بہار و بنگال میں ان کے شاگردوں کی تعداد بھی بیسیوں سے متجاوز تھی۔ حافظ رشید الغنی وحشت اور حافظ اکرام احمد ضیغم سے کسب سخن کیا تھا ؎

(بقیہ صفحہ ۱۰۰ پر)

بمقام عظیم آباد پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنؤ جاکر مولانا حسن علی سے سند حدیث و تفسیر حاصل کی۔ پھر کانپور میں مولانا شاہ محمد سلامت اللہ کشفی کی خدمت میں ایک مدت تک رہکر دستار فضیلت حاصل کی ۱۲۵۵ھ میں کانپور سے مراجعت فرماکر اپنے دولتکدہ کو رونق بخشی۔ بہتیرے علماء نے آپ سے فراغ حاصل کیا اور بیسوں نے سند حدیث آپ سے حاصل کی ۱۲۹۲ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۰۳ھ میں گورنمنٹ عالیہ نے بھی "شمس العلماء" کا خطاب دیا۔ ۳ شعبان ۱۳۰۴ھ کو اس جہان سے رحلت کی۔ نہایت حلیم و سلیم اور صاحب مروت و سخاوت تھے۔ لوگوں کے ساتھ نہایت پوشیدہ سلوک کرتے تھے اور رخصت کے وقت۔ خصوصاً اہل علم کے ساتھ اکثر سو روپئے سے زیادہ سے سلوک کیا ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا اور بہت سے طلبا کی جاگیریں اپنے یہاں مقرر کیں۔ اپنی تمام عمر کو درس و تدریس اور گوشہ نشینی اور وردو وظائف میں بسر کیا۔ شاعری کا مذاق ابتدائے عمر سے تھا۔ تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ فارسی میں دو دیوان مطبوعہ "قسطاس البلاغۃ" و "مقصد البلاغۃ" آپ کی یادگار سے ہیں۔ عربی میں بھی کچھ کلام موجود ہے۔ اردو میں بہت کم شعر کہتے تھے۔ فارسی میں حسرت اور اردو و عربی میں سعید تخلص فرماتے تھے۔ یہ نمونہ کلام ہے ؎

کیا تڑپ کر دل مجروح نے کی بے لطفی — خوں سے تر دامن قاتل نہ ہوا تھا سو ہوا
پا گیا عشق مجازی سے حقیقت کو سعید — شکر الحمد کہ کامل نہ ہوا تھا سو ہوا

بہے ہیں اشک خوں رشک حنا کے پائے یار پر کیا کیا — پسے عشاق کے دل دست پائے یار پر کیا کیا
خدا ہی جانے کب یہ غنچہ امید وا ہوگا — بندھی ہو ٹکٹکی بند قبائے یار پر کیا کیا
دکھا کر جلوہ اپنا کر دیا ہر شئی سے مستغنی — حسد ہے بادشاہوں کو گدائے یار پر کیا کیا
تجلی کی جو شمع طور کی مانند رات اوس نے — بنا پروانہ دل اپنا لقائے یار پر کیا کیا
رہا محروم میں ہی خوبی مقسوم سے ورنہ — لٹی دولت در دولت سرائے یار پر کیا کیا
کوئی برچھی اٹھاتا ہے کوئی تیغ آزماتا ہے — ستم اغیار کے ہیں مبتلائے یار پر کیا کیا
سمجھ رکھا ہے گلزار جناں نار جہنم کو — خلیل آسا میں راضی ہوں رضائے یار پر کیا کیا

واقف سر نہاں ہوں کیا کہوں — میں تو گونگے کی زباں ہوں کیا کہوں
سوز دل سے جل اٹھی آخر زباں — شمع ساں روشن بیاں ہوں کیا کہوں
واجب و ممکن میں ہے ایک ربط خاص — راز دار کن فکاں ہوں کیا کہوں

حسرتی - لالہ بندا پرشاد۔ ولد لالہ مہاراج سنگھ وکیل عدالت دیوانی۔ متوطن عظیم آباد۔ محکمہ صدر اعلائی میں ڈگری نویسی کی خدمت پر مامور تھے۔ فن شاعری میں ناظر وزیر علی عبرتی سے تلمذ تھا۔ ؎

ای حسرتی از حرف ہمہ سوز تو دل سوخت — پرکالہ آتش کہ زباں در دہن ست ایں

حشمت - مولوی ابوالفضل۔ آرہ ٹون اسکول میں ہڈ مولوی تھے

کیا تڑپ کر دل مجروح نے کی بے لطفی
خوں سے تر دامن قاتل نہ ہوا تھا سو ہوا

پا گیا عشق مجازی سے حقیقت کو سعید
للہ الحمد کہ کامل نہ ہوا تھا سو ہوا

بہے ہیں اشک خوں رشک حنا یار پر کیا کیا
پسے عشاق کے دل دست پائے یار پر کیا کیا

خدا ہی جانے کب یہ غنچہ امید وا ہوگا
بندھی ہو ٹکٹکی بند قبائے یار پر کیا کیا

دکھا کر جلوہ اپنا کر دیا ہر شی سے مستغنی
حسد سے بادشاہوں کو گدائے یار پر کیا کیا

تجلی کی جو شمع طور کی مانند رات اوس نے
بنا پروانہ دل اپنا لقائے یار پر کیا کیا

رہا محروم میں ہی خوبی مقسوم سے ورنہ
لٹی دولت در دولت سرائے یار پر کیا کیا

کوئی برچھی اُٹھاتا ہے کوئی تیغ آزماتا ہے
ستم اغیار کے ہیں مبتلائے یار پر کیا کیا

سمجھ رکھا ہے گلزار جناں نار جہنم کو
خلیل آسا ہیں راضی ہوئے رضائے یار پر کیا کیا

واقف سرّ نہاں ہوں کیا کہوں
میں تو گونگے کی زباں ہوں کیا کہوں

سوز دل سے جل اُٹھی آخر زباں
شمع ساں روشن بیاں ہوں کیا کہوں

واجب و ممکن میں ہے ایک ربط خاص
رازدار کن فکاں ہوں کیا کہوں

حسرتیؔ - لالہ بندا پرشاد - ولد لالہ مہاراج سنگھ وکیل عدالت دیوانی - متوطن عظیم آباد - محکمہ صدر اعلائی میں ڈگری نویسی کی خدمت پر مامور تھے - فن شاعری میں ناظر وزیر علی عبرتیؔ سے تلمذ تھا -

ای حسرتی از حرف ہمہ سوز تو دل سوخت
پرکالہ آتش کہ زباں در دہن ست ایں

حشمت - مولوی ابو الفضل - آرہ ٹون اسکول میں ہیڈ مولوی تھے

پھر مظفر پور بھومنیار کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے - حضرت صفیرؔ بلگرامی سے تلمذ تھا - اور خود صاحب دیوان و صاحب تلامذہ تھے ؎

جائیگی یوں تو جان ہی جائیگی ایک دن
پہلو سے دل گیا تو گیا اضطراب کیا

تیرے بیمار ہی کے دم کا سہارا تھا اسے
ساتھ تابوت کے روتی ہوئی حسرت نکلی

حشمتیؔ - لالہ ماتا دین - عظیم آباد کے رہنے والے - مصحفی کے عہدہ پر مامور تھے - بیشتر فارسی کہتے تھے - شاعری میں ناظر وزیر علی عبرتیؔ کے شاگرد تھے ؎

دیکھیں گے حسن حور تو پھسلے گا دل ضرور
جنت میں بھی یقین ہے نہ آرام پائے دل

حقیرؔ - حافظ عبد الرحیم - باشندہ عظیم آباد - کلام کا رنگ اور تلاش و فکر کا انداز مندرجہ ذیل اشعار سے معلوم ہوسکتا ہے ؎

بتا دیں ہم تمہارے کاکل و عارض کو کیا سمجھے
اسے ہم سانپ سمجھے اور اسے من سانپ کا سمجھے

یہ کیا تشبیہ بے ہودہ ہے کیوں کر ذی سے نسبت دیں
ہما عارض کو اور کاکل کو ہم ظل ہما سمجھے

غلط یہ ہوگئی تشبیہ بھی کیا ایک طائر سے
اسے برق اور اوسے ساون کی کالی گھٹا سمجھے

گھٹا اور برق کیسی کیوں گھٹا کر ان کو نسبت دوں
اسے برگ سمن اور اوس کو سنبل کی جٹا سمجھے

نباتات زمیں سے اُن کو کیا نسبت معاذ اللہ
اسے ظلمات اوس کو چشمہ آب بقا سمجھے

اگر کہیے یہی مقصود تھے خضر و سکندر کے
ید بیضا اوسے اور اوس کو موسیٰ کا عصا سمجھے

گر اس تشبیہ سے بھی حرف اون دونوں پہ آتا ہے
اسے قندیل کعبہ اوس کو کعبہ کی ردا سمجھے

رئیس حسین گنج گھوا ضلع سارن۔ اکثر آرہ میں رہتے تھے۔ خواجہ محمد شاہ شہرت عظیم آبادی کے شاگرد تھے ؎

دل آگاہ میرا رہبر ہے — میں در تک تیرے پہونچوں گا بلاشک

حیرت ۔ مولوی احمد کبیر۔ پسر اکبر مولوی حاجی محمد فرید مرحوم مولد و مسکن پھلواری۔ عدالت پٹنہ میں وکیل تھے۔ اکثر علوم و فنون میں ماہر تھے مگر شاعری سے خاص شغف تھا۔ بہت پُرگو بھی تھے۔ تاریخ علم عروض اور صنائع و بدائع میں کمال حاصل تھا۔ "تاریخ کملا" ۱۳۰۲ھ جو دو جلدوں میں چھپی ہے آپ ہی کی تصنیفات سے ہے۔ فارسی اور اُردو دونوں میں اظہار کمال کیا ہے ۱۹۱۱ء میں انتقال کیا۔ آپ کے کلام میں سے اگر صرف صنائع و بدائع کے نمونے درج کئے جائیں تو ایک دفتر ہو جائے۔ اس لئے اس مقام پر صرف چند شعر مختلف صنعت کے بطور نمونہ لکھے جاتے ہیں ؎

گل کو ہوگا نہ تحمل ہرگز — کر عنادل نہ ذرا غل ہرگز

چشم ہم چشموں سے اے چشم نہ رکھنا مطلق — چشمک چشم سے ہم چشموں کے ہوتا ہے قلق
چشم احسان کو ہم چشموں سے اے چشم نہ دیکھ — چشم ہم چشم پہ گو چشم ہو اوس کی اشفق

ہوا وہ غرصہ اعدا کا صدمہ آلام — کہ ہر سحر کو گرا سوکھ کر گل اندام
عدم کو آہ سدھارا سرور سرور دل — ہوا تحمل ملک مُلک درد کا ہر گام

بلبل یہ کہہ رہی ہے صبا سے پُکار کے — موسم گیا خزاں کا دن آئے بہار کے

جو شخص معترف ہوا اپنے گناہ کا — کیا راہ پُرخطر سے گیا بےخطر وہ شخص

حیرتی ۔ محمد علی خاں۔ باشندۂ عظیم آباد۔ راجہ پیارے لال اُلفتی کے شاگرد تھے۔ اور میر وزیر علی **عبرتی** سے بھی فن سخن میں فیض پایا تھا۔ ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے۔ ؎

ادھر ہے لشکر مژگاں پرا جمائے ہوئے — ادھر تو کشور دل لوٹتا ہے ترک نگاہ

میں ایک لیلی کا مجنوں ہوں بیاباں ہے وطن میرا — نہ پوچھو ہمدمو نام و نشاں میرا بتاؤں کیا
پانی ملے جو اوس کے زنخداں کے چاہ کا — اے خضر میرے واسطے آب حیات ہو

خادم ۔ حکیم مولوی سید فضیلت حسین۔ ساکن دھنوت۔ پرگنہ پھلواری ضلع پٹنہ۔ تلمیذ قاضی مخدوم عالم پھلواروی ؎

غیر حالت ہو رہی ہے عندلیب زار کی — لیگئی جب سے خزاں رونق گل و گلزار کی
صبح ہے ایک دنیا خوشامد کرتی ہے زردار کی — ہے فدا سارا جہاں اوس کے طلائی رنگ پر

خاں ۔ مولوی عبداللہ خاں۔ باشندۂ داناپور۔ شاگرد حافظ **ضیغم**۔ کلکتہ میں وفات پائی ؎

کیا کیا فلک کے ہم پہ نہ ظلم و جفا ہوئے — جس دن سے وصل یار سے یارب جدا ہوئے

خاور ۔ شیخ عبدالحکیم۔ متوطن عظیم آباد ؎

تعلق کردند و غم آہ و فغانم دادند — ستم و ناز و تغافل بہ حسیناں یکسر

خبیر ۔ سید محمد مہدی ولد سید محمد عسکری بلگرامی حضرت

کیا راہ پُرخطر سے گیا بےخطر وہ شخص   جو شخص معترف ہوا اپنے گناہ کا

حیرتی - محمد علی خاں - باشندۂ عظیم آباد - راجہ پیارے لال الفتی کے شاگرد تھے - اور میر وزیر علی **عبرتی** سے بھی فن سخن میں فیض پایا تھا - ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے ۔

ادھر تو کشور دل لوٹتا ہے ترک نگاہ   ادھر ہے لشکر مژگاں پرا جمائے ہوئے
نہ پوچھو ہمدمو نام و نشاں میرا بتاؤں کیا   میں اک لیلی کا مجنوں ہوں بیاباں ہے وطن میرا
اے خضر میرے واسطے آب حیات ہو   پانی ملے جو اوس کے زنخداں کے چاہ کا

خادم - حکیم مولوی سید فضیلت حسین - ساکن دھنوت - پرگنہ پھلواری ضلع پٹنہ - تلمیذ قاضی مخدوم عالم پھلواروی ۔

لیگئی جب سے خزاں رونق گل و گلزار کی   غیر حالت ہو رہی ہے عندلیب زار کی
ہے فدا سارا جہاں اوس کے طلائی رنگ پر   سچ ہے ایک دنیا خوشامد کرتی ہے زردار کی

خاں - مولوی عبداللہ خاں - باشندۂ داناپور - شاگرد حافظ **ضیغم** - کلکتہ میں وفات پائی ۔

حسرت ہے وصل یار سے یارب جدا ہوں   کیا کیا فلک کے ہم پہ نہ ظلم و جفا ہوئے

خاور - شیخ عبدالحکیم - متوطن عظیم آباد ۔

ستم و ناز و تغافل بہ حسیناں یکسر   لطف کردند و غم آہ و فغانم دادند

خبیر - سید محمد مہدی ولد سید محمد عسکری بلگرامی حضرت

صفیر کے پھوپھا تھے - آرہ میں بود و باش تھی - تقریباً ۱۲۸۵ھ میں چالیس برس کی عمر میں بھاگلپور میں انتقال کیا ۔

ہم نے رونے کا بھلا کب سر و ساماں باندھا   تم نے ہی دیدہ و دانستہ یہ طوفاں باندھا
سد وصال رنجش دلدار ہو گئی   اتنا بڑھا غبار کہ دیوار ہو گئی

خفی - راجہ بابو - باشندۂ عظیم آباد ۔

دیکھ سنبل کو چمن میں یاد آئے اوس کے بال   حاصل اس گلگشت سے آخر پریشانی ہوئی

دانش - میر احمد حسین خلف میر امداد حسین بلگرامی - ان دونوں نے ۱۲۹۴ھ میں بمقام بھاگلپور نصاکی **صفیر** بلگرامی کے شاگرد تھے ۔

نہ صحرا مجکو بھاتا ہو نہ جی لگتا ہو اب گھر میں   تری زلف پریشاں کا یہ سودا بڑھ گیا سر میں
اڑا کر خاک بربادی کا میری حال کہدینا   صبا تیرا گذر ہوتا ہے اکثر کوئے دلبر میں

دل - منشی بینی پرشاد قوم کائستھ - متوطن عظیم آباد ۔

پردہ اٹھا کے تو نے ادھر کو گذر کیا   عالم کے دل میں تیری محبت نے گھر کیا

دلگیر - دلیر شاہ - متوطن عظیم آباد - وارستہ مزاج درویش تھے ۔

پھر بھی یارب وہ کبھی دن رات ہو   یار ہو میں ہوں گلے میں ہات ہو

ذبیح - مرزا امان علی - عظیم آباد محلہ سلطانپور کے رہنے والے

خلف کالے خاں۔ متوطن شہسرام ۱۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ قصبہ شہسرام کے اول شاعر یہی سمجھے جاتے ہیں۔ کسی کے شاگرد نہ تھے۔ بلکہ جو کچھ کہتے پہلے اپنے ممتاز شاگردوں مثلاً مسرور۔ بشاش اور تیغ وغیرہم کو نکتہ چینی کرنیکے لئے حوالہ کردیتے ۱۳۰۱ھ میں انتقال کیا ؎

ایک تو جلنا شمع کا اوس پر ستم گل گیر کا   کیا عدالت ہے کہ سر کٹتا ہے بے تقصیر کا
مار کھانیکی ہیں باتیں جو کہیں زلف کو مار   یوں نہیں سانپ میں سم زلف معنبر میں نہیں

رحمتی۔ کنور سکھراج بہادر۔ خلف کنور ہیرا لال ضیغم ۱۲۹۵، ۹۳ھ میں انہوں نے پانچ مشاعرے بڑے دھوم دھام سے کئے تھے ؎

جب سلسلہ جنباں یہ تری زلف رسا ہو   عاشق ترا کس طرح نہ زنجیر بپا ہو
جب آپ ہی کو پاس نہیں رسم و راہ کا   کیا فائدہ جو ہو بھی ارادہ نباہ کا

رضا۔ سید محمد رضا ولد سید تبارک حسین بلگرامی مقیم آرہ محکمہ افیون میں گماشتہ تھے۔ غدر کے دو برس قبل انتقال کیا بیشتر فارسی کہتے تھے ؎

گر کرے زیب گلو وہ نوجوان سبزہ رنگ   فیض رنگ سبز سے تسبیح مرجاں سبز ہو

رضا۔ میرزا نظیر حسین۔ باشندہ عظیم آباد۔ تلمیذ میر حامد حسین نکہت ؎

رہتا ہوں اک زمانے سے گردش میں رات دن   جویا یہ پیر چرخ ہے کس رشک ماہ کا

رضوان۔ ابوالمظفر مولا بخش۔ باشندہ آرہ۔ مالک رضوانی پریس۔ شاگرد ناسخ ؎

شمع رویوں کو بہائے دل کی گو پروا نہ تھی   دل ہمارا عشق میں اون کے مگر پروانہ تھا
حالت مری دیکھ لے با چشم بصیرت   جس نے کبھی مجنوں کے فسانے کو سنا ہو

رقیم۔ منشی گر سہائے لال خلف منشی نور نرائن لال ساکن تدرہ ضلع گیا۔ شاگرد ناسخ۔ فارسی و عربی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے ؎

در چمن وا اگر ایں عقدہ گیسو گردد   غنچہ غنچہ گرہ نافہ آہو گردد

رکن۔ سید غلام نبی۔ باشندہ عظیم آباد شاگرد حضرت وحید الہ آبادی ؎

بیمار کردیا جسے دیکھا اٹھا کے آنکھ   جادو سے کم نہیں اثر ان کی نگاہ کا

رونق۔ میر غلام حیدر خاں باشندہ عظیم آباد ؎

رحم کر اے دوست کہ ہے خاکساری پر مری   نقش پا کی طرح تیری راہ میں افتادہ ہوں

رونق۔ سید علی نواب۔ متوطن دہلی۔ مقیم عظیم آباد ؎

بے تیغ کے قتل ہوں گے عاشق   ابرو پہ نہ رکھ شکن ہمیشہ

رہائی۔ ڈاکٹر شیخ عبداللہ ولد شیخ فقیر محمد

باشندہ موضع راگھوپور پرگنہ مینر ضلع عظیم آباد۔ شاگرد حافظ **صیغم** و عبداللہ خاں **مہر** سے

مجھ پا شکستہ کے لئے کیا احتیاج قید — قابل ہے بیڑیوں کے نہ لائق رسن پاؤں

کیا ہوگئے وہ لوگ رہائی جو زیر چرخ — بیچوں کے بل سے چلتے تھے رکھتے تھے تن پاؤں

زبیر۔ شہزادہ مرزا محمد زبیر الدین عرف مرزا محمد زبیر بخت خلف مرزا محمد دارا بخت ولیعہد اول حضرت ابو ظفر محمد بہادر شاہ بادشاہ۔ مقیم عظیم آباد۔ ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے

دم ہوا فرقت میں ہوتا عاشق دلگیر کا — گر نہ ہوتا سامنے نقشہ تری تصویر کا

زبیر۔ سید سبحان حیدر صاحب ڈپٹی کلکٹر راینچی۔ ترجمہ شرع محمدی "مکناٹن لا" اور قصہ سلفس کا ترجمہ انگریزی سے اردو میں انہیں کا کیا ہوا ہے۔ حضرت **صفیر** سے تلمذ تھا

جو پوچھا قیس سے کتنے ہیں عشق میں آزار — تو رو کے کہنے لگا اس کا کچھ حساب نہیں

ساعد۔ محمد سعید۔ باشندہ داناپور سے

منہ بے سبب سفید نہیں آج ماہ کا — رخ سے اٹھا نقاب کسی کج کلاہ کا

سالک۔ فصیح احمد۔ متوطن عظیم آباد سے

کرنا نگاہ یا کہ نہ کرنا ہے اختیار — قصہ تو سن لو اک ذرا حال تباہ کا

سالم۔ حکیم محمد عسکری۔ متوطن لکھنؤ۔ غدر کے دو ایک

برس بعد عظیم آباد میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ مرثیہ پڑھتے تھے۔ پھر یہاں سے آرہ گئے۔ وہاں تین چار برس طبابت کا مشغلہ رہا۔ پھر پورنیہ گئے اور ۱۲۸۹ھ کے کچھ بعد وہیں انتقال کیا **ناسخ** کے شاگرد تھے

خاک میں بھی داغ فرقت نے حرارت خو کی کی — کاہ آتش دیدہ ہے تربت پہ صورت دوب کی

بنگئی نقش قدم کی طرح چشم انتظار — میں نے ایسی راہ دیکھی قاصد محبوب کی

سخن۔ ناظر عباس علی خلف ناظر عبد العلی ساکن علی گنج سیوان۔ شاگرد **صفیر** بلگرامی۔ غدر میں مارے گئے

آب حیواں کا ترے لب میں اثر ہے کہ نہیں — صاف ظلمات تری زلف دو سر ہے کہ نہیں

سلطان۔ نواب سید تجمل حسین خاں عرف سلطان مرزا ابن نواب حاجی سید ولایت علی خاں بہادر (سی، آئی، ای) ابتدائے شباب سے ۱۲۸۰ھ میں بمکان سید علی محمد صاحب **شاد** و بہ منشی سید فرزند احمد صاحب **صفیر** بلگرامی کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ اردو کے دو دیوان ایک بحر خفیف میں اور دوسرا مختلف بحروں میں اور دو مثنویاں بھی اپنے نام سے یادگار چھوڑی تھیں۔ رسالہ مرقع فیض (تذکرہ شاگردان **صفیر** بلگرامی مطبوعہ ۱۲۹۵ھ) بھی

آپ ہی کے نام سے شائع ہوا تھا ؎

یہ کشش بڑھ گئی جانباز کے جل جانے سے   شمع بھی جل کے برابر ہوئی پروانے سے

چلے عدم کو محبت کا داغ کھائے ہوئے   چراغ لے چلے دامن میں ہم چھپائے ہوئے

کہیں جگہ نہ ملی بیکسی کو آخر کار   ہماری شمع لحد سے ہی لو لگائے ہوئے

سلطان - خواجہ سلطان جان۔ اصل نام راجہ طالب علی تھا۔ خلف خواجہ حسین علی خاں مرحوم رئیس عظیم آباد۔ اولاد میں خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے تھے۔ وطن بزرگوں کا بخارا تھا۔ ننہال کا سلسلہ خواجہ میر دردؒ سے ملتا ہے۔ موسیقی میں اچھا دخل رکھتے تھے۔ سیر چشمی اور اولوالعزمی میں مشہور زمانہ تھے۔ سن شعور کے بعد روپیے پیسے کو کبھی اپنے ہاتھ سے نہ چھوا۔ بہت دنوں تک لکھنؤ اور کلکتہ میں بھی رہے۔ سنہ ۱۲۷۲ھ میں کلکتہ سے گیا پہونچکر انتقال کیا۔ فارسی اور اردو دونوں میں فکر سخن کیا ہے۔ تین دیوان یادگار چھوڑے ہیں۔ یہ نمونہ کلام ہے ؎

وار کیا معلوم ہو تیغ نگاہ یار کا   ساحل بحر فنا ہے گھاٹ اس تلوار کا

دل کی جا سینے میں تیر اوس کا پیکاں رہ گیا   میزباں جاتا رہا اور گھر میں مہماں رہ گیا

دیکھے جو ہنر یار کے ٹکڑے سے [illegible]   انکار نہ کافر کو رہے شق قمر کا

زندگی آئی [illegible] کیا دیکھو تماشا   بیٹھا محفل میں سر پہ سبو جام دوش پر

جب آتا ہوں ہو جاتا ہے سوراخ جگر میں   کہا ہے کو کوئی آئیگا اب آپکے گھر میں

چاہئے عاشق و معشوق میں گرما گرمی   وصل کی رات نہیں خوب یہ شرما شرمی

دام بلائے عشق میں ہم بے سبب پڑے   کم بخت دل یہ ہائے خدا کا غضب پڑے

تاب کس کی جو کرے بات اوس بت مغرور سے   حور بھی دیکھے تو لے اوس کی بلائیں دور سے

تم کو پردے سے فقط بات بنا آتی ہے   یا کبھی چاند سی صورت بھی دکھا آتی ہے

سلیم - سید لقمان حیدر وکیل عدالت دیوانی قصبہ آرہ۔ خواجہ محمد شاہ **شہرت** کے شاگرد تھے ؎

وہ تو واں غیر سے مشغول سخن ہوتا ہے   اور یہاں حل معمائے دہن ہوتا ہے

گوشہ گیری ہی سے ہو جاتا ہے ناقص کامل   ورنہ سب خوں کہاں مشک ختن ہوتا ہے

سعید - سید حسین۔ خلف شاہ فرید الدین احمد شاگرد میر محمد واجد **پریشاں** ساکن عظیم آباد ؎

گرچہ ظاہر میں نظر ہم کو نہ آئی کا ہے   پر تصور میں یہاں تیری کمر دیکھ چکے

سعدی - حکیم میر سعید حسین۔ متوطن بلیا۔ مقیم عظیم آباد ؎

منہ اوس کا مرتے دم تری جانب کو پھر گیا   کشتہ تھا جو کوئی تری ترچھی نگاہ کا

شاد - سیدا رائے درگا پرشاد۔ متوطن عظیم آباد۔ راجہ رام نرائن **موزوں** کے خاندان میں تھے ؎

دن کو جو شغل گریہ ہو تو شب کو آہ کا   پوچھو نہ حال کچھ مرے حال تباہ کا

جب آتا ہوں ہو جاتا ہے سوراخ جگر میں — کھاہے کو کوئی آئیگا اب آپ کے گھر میں

چاہئے عاشق و معشوق میں گرما گرمی — وصل کی رات نہیں خوب یہ شرما شرمی

دام بلائے عشق میں ہم بے سبب پڑے — کم بخت دل یہ ہائے خدا کا غضب پڑے

تاب کس کی جو کرے بات اوس بت مغرور سے — دور بھی دیکھے تو لے اوس کی بلائیں دور سے

تم کو پردے سے فقط بات بنا آتی ہے — یا کبھی چاند سی صورت بھی دکھا آتی ہے

سلیم - سید لقمان حیدر وکیل عدالت دیوانی قصبہ آرہ - خواجہ محمد شاہ **شہرت** کے شاگرد تھے ۔

وہ تو واں غیر سے مشغول سخن ہوتا ہے — اور یہاں حل معمائے دہن ہوتا ہے

گوشہ گیری ہی سے ہو جاتا ہے ناقص کامل — ورنہ سب ہرن کہاں مشک ختن ہوتا ہے

سید - سید حسین - خلف شاہ فرید الدین احمد شاگرد میر محمد واجد **پریشاں** ساکن عظیم آباد ۔

گرچہ ظاہر میں نظر ہم کو نہ آئی کاہے — پر تصور میں یہاں تیری کمر دیکھ چکے

سیدی - حکیم میر سید دین - متوطن بلیا مقیم عظیم آباد ۔

مُنہ اوس کا مرتے دم تری جانب کو پھر گیا — کشتہ تھا جو کوئی تری ترچھی نگاہ کا

شاد - رائے درگا پرشاد - متوطن عظیم آباد - راجہ رام نرائن **موزوں** کے خاندان میں تھے ۔

دن کو جو شغل گریہ ہو تو شب کو آہ کا — پوچھو نہ حال کچھ مرے حال تباہ کا

شاداب - مولوی مہدی حسن خان خلف حاجی امیر حسن خاں مرحوم بن دیوان مولا بخش صاحب خان بہادر سی، اس، آئی - رئیس اعظم رسول پور ضلع مظفر پور - مقیم لال کوٹھی عظیم آباد اس دور کے خوش گو شعرا میں تھے - حضرت **نایاب** کے چھوٹے بھائی تھے اون کے انتقال کے بعد منشی امیر احمد صاحب **امیر** مینائی سے تلمذ اختیار کیا تھا - سنہ ۱۳۰۸ھ میں حضرت **امیر** مینائی مرحوم خود بھی ان کے بلائے ہوئے لال کوٹھی میں تشریف لائے تھے - اور ان کے شاگرد داغ رشید **ریاض** و **کوثر** بھی شامل تھے - اس زمانے میں شعر و سخن کا یہاں بہت چرچا تھا - جناب **شاداب** نے یکم رمضان سنہ ۱۳۲۰ھ کو لال کوٹھی میں انتقال کیا - نہایت ذہین اور طباع تھے - حضرت **امیر** مینائی نے ان کا ذکر امیر اللغات کے دیباچہ میں بھی کیا ہے - اشعار فی البدیہہ کہتے تھے - اپنے کلام کو انھوں نے کسی دیوان یا بیاض کی صورت میں قلمبند نہیں کیا - "دامن گلچیں" میں ان کی بعض غزلیں چھپی تھیں - یہ رباعی ان کی مشہور ہے ۔

موت آئے گی مر جائیں گے ڈرنا کیا ہے — مالک کی خوشی یہی ہے کرنا کیا ہے

دل کی اُلجھن تو دور ہو جائے گی — یہ بھید تو کھل جائیگا مرنا کیا ہے

کیوں شگفتہ نہ داغ ہوں دل کے — پھول ہیں سینہ ہمارا گلشن ہے

جامہ سے باہر ہی جب سے چھو لیا تیرا لباس ۔۔۔ عطر کی بو ہر طرف پھرتی ہی اترائی ہوئی
کثرت افکار میں کیونکر شگفتہ ہو غزل ۔۔۔ ہی طبیعت آج کل شاداب مرجھائی ہوئی

شاغل۔ شاہ محمد آغا

خلف مولوی تراب علی۔ متوطن دہلی۔ حضرت داغ کے علاتی بھائی اور اون کے شاگرد تھے۔ عرصہ دراز تک عظیم آباد میں رہے شطرنج بازی میں یگانہ روزگار تھے ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے ؎

کیا پوچھتا ہی ہم سے خراب تباہ کا ۔۔۔ لے دیکھ ایک دم ہی سو وہ اپنی آہ کا
اللہ رے نازکی کہ دم عرض مدعا ۔۔۔ اون کو ہی ایک پہاڑ اوٹھانا نگاہ کا
مرتے کبھی نہ طالب دیدار حشر پر ۔۔۔ ملتا پتا جو ٹھیک تیری جلوہ گاہ کا
دیوانہ ہوکے سر کوئی پھوڑے اگر تمھیں ۔۔۔ سیدھی طرح سے آئے نہ رکھنا کلاہ کا

دے اب وہ جواب اون کو جسے ہوش بجا ہو ۔۔۔ لو پوچھتے ہیں تجھ سے کہ تم چاہتے کیا ہو
درماندہ و مجبور زمانے میں بتوں سے ۔۔۔ ہم ایسے ہیں جیسے کہ کسی کا نہ خدا ہو
کچھ یاس سے تسکین ابھی دل کو ہوئی تھی ۔۔۔ پھر چھیڑ دیا ہائے تمنا کا برا ہو

بتائیں کس زباں سے ہم غریب دیدہ وطن اپنا ۔۔۔ نہ اوجڑے یوں کسی کا جس طرح اوجڑا چمن اپنا
اسیران قفس جب یاد کرتے ہیں چمن اپنا ۔۔۔ بہت روتے ہیں ہم سینہ پکڑ کر سوے وطن اپنا
جہاں گردی میں صورت آشنا جب کوئی ملتا ہی ۔۔۔ نظر پڑتے ہی پھر جاتا ہی آنکھوں میں وطن اپنا
مرا حال زبوں بھی باعث تفریح عالم ہی ۔۔۔ مجھے جو دیکھتا ہی بھول جاتا ہی محن اپنا

شائق۔ منشی بلتا پرشاد متوطن فرخ آباد۔ مقیم عظیم آباد ؎

کان اون کے بھر گئے ہیں رقیبوں کی بات سے ۔۔۔ سنتے نہیں وہ حال کسی دادخواہ کا

شائق۔ منشی محمد بخش عظیم آباد میں مقیم تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں ؎

اب اون کا کاسۂ سر پائمال عالم ہی ۔۔۔ کہ جن کا تھا نہ کوئی ہمسر آسماں تلے

شائق۔ منشی سرفراز علی محکمہ ڈپٹی کلکٹری بانکا ضلع بھاگلپور میں ناظر تھے۔ نساخ کے شاگرد تھے

موت بھی سر پہ کھڑی ہی اوس کے بالیں پہ کھڑی ۔۔۔ حال ابتر ہی تمہارے عاشق بیمار کا

شرف۔ مولوی محمد شرف الدین۔ متوطن پھلواری متصل عظیم آباد۔ حضرت شاہ نعمت اللہ کے نواسے تھے ؎

اے شرف قیس ازچہ با صحرا گرفت ۔۔۔ تا جنوں را دست در داماں ماست

شمس۔ شریف احمد خاں باشندۂ عظیم آباد۔ شاگرد مرزا غلام حسین قمر ؎

اگر نہائے وہ مہ بے حجاب دریا میں ۔۔۔ تو تھرتھرانے لگے آفتاب دریا میں

شمس۔ منشی پرمیشر سہائے متوطن عظیم آباد ؎

ہوں یہ ناکام کہ نکلے بھی تو مر کر نکلے ۔۔۔ ہی یہ حیرت ہی کہ اوس کوچے سے کیونکر نکلے

شمیم۔ شیخ محمد حسن باشندۂ آرہ شاگرد محمد شاہ شہرت ؎

ستم و جور بتاں سے یہ جدائی آزاد نہیں ۔۔۔ کون سا دل ہی کہ ہم مورد بیداد نہیں

شمیم۔ محمد حسن خاں متوطن عظیم آباد۔ شاگرد میرن حیا نکہت ؎

شائق۔ منشی بلتا پرشاد متوطن فرخ آباد۔ مقیم عظیم آباد ؎

کان اون کے بھر گئے ہیں رقیبوں کی بات سے ۔ سنتے نہیں وہ حال کسی دادخواہ کا

شائق۔ منشی محمد بخش عظیم آباد میں مقیم تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں ؎

اب اون کا کاسۂ سر پائمال عالم ہے ۔ کہ جن کا تھا نہ کوئی ہمسر آسمان تلے

شائق۔ منشی سرفراز علی [illegible] ڈپٹی کلکٹری بانکا ضلع بھاگلپور میں ناظر تھے۔ نساخ کے شاگرد تھے

موت بھی [illegible] بالیں پہ کھڑی ۔ حال ابتر ہے تمہارے عاشق بیمار کا

شرف۔ مولوی محمد شرف الدین۔ متوطن پھلواری متصل عظیم آباد۔ حضرت شاہ نعمت اللہ کے نواسے تھے ؎

اے شرف قیس از چہ یا صحرا گذشت ۔ تا جنوں را دست در داماں الست

شمس۔ شریف احمد خاں باشندۂ عظیم آباد۔ شاگرد مرزا غلام حسین قمر ؎

اگر نہائے وہ مہ بے حجاب دریا میں ۔ تو تھرتھرانے لگے آفتاب دریا میں

شمس۔ منشی پرمیشر سہائے متوطن عظیم آباد ؎

ہاں یہ مانا کہ تو نکلے بھی تو مر کر نکلے ۔ پر یہ حیرت ہے کہ اوس کوچے سے کیونکر نکلے

شمیم۔ شیخ محمد حسن باشندۂ آرہ شاگرد محمد شاہ شہرت

شہر [illegible] آزاد نہیں ۔ کون سا دل ہے کہ ہم سے [illegible] نہیں

شمیم۔ محمد حسن خاں۔ متوطن عظیم آباد شاگرد میر حسن عطا نکہت ؎

اے شوق قتل جلد کہیں خضر راہ ہو ۔ بھولا ہوا ہوں راستہ میں قتل گاہ کا

شور۔ داروغہ عبدالرحمٰن۔ ساکن باقر گنج پٹنہ۔ شاگرد صفیر بلگرامی ؎

فراق میں تیرے کب تک بدن کو زار کریں ۔ تو ہی جواب دے تا چند انتظار کریں

شورش۔ میر قوت علی بلگرامی۔ خلف میر [illegible] شاگرد صفیر بلگرامی۔ ساکن آرہ۔ اکثر عظیم آباد میں شریک مشاعرہ ہوتے تھے۔ صاحب دیوان تھے۔ ان کی تصانیف سے سات رسالے ہیں۔ ۱ مرات التحقیق ۲ لمعۃ العقول ۳ تنبیہۃ العقول ۴ مناظر الناظرین ۵ بیاد الحق ۶ زہق الباطل ۷ اور ایک ضخیم کتاب "فلسفۃ الکلام" [illegible] میں لکھی ہوئی غیر مطبوعہ ہے ؎

خشک لب دیدۂ تر رکھتے ہیں ۔ ہم بھی الفت کا اثر رکھتے ہیں

آخر کو جان دینی پڑی [illegible] ۔ دل دے کے تم کو آہ یہی میری جان تھی

شورش۔ کشن لال متوطن عظیم آباد محلہ دیوان۔ قوم کائستھ۔ انہوں نے ایک مثنوی ضخیم فارسی میں بھی لکھی تھی۔ اردو کی مثنوی کا ایک شعر یہ ہے ؎

کبھی میرا اپنا بہشت بریں تھا ۔ جو اب [illegible] دنیا کے اندر [illegible]

سید شاہ امین احمد ثبات و شوق

شوق تخلص۔ حضرت سید شاہ امین احمد فردوسی قدس سرہ

(۴ و ۵) شجرات طیبات اور سلسلۃ اللآلی میں متعدد خانوادوں کے شجرے منظوم کیے گئے ہیں۔

(۶) عبرت افزا مین۔ بعض بعض انبیاء علیہم السلام کی حکایات و قصص ہیں۔ یہ مثنوی "خمسہ نظامی" کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ اور اس ایک مثنوی میں پانچ وزن کی پانچ مثنویاں جدا جدا ہیں۔ یہ بہت بہترین مثنوی ہے۔

(۷) "شہد و شیر" میں مثنوی "نان و پنیر" کا جواب دیا گیا ہے جس کے مصنف نے اصحاب صوفیہ کو برا بھلا لکھا تھا۔

مثنوی "گل بہشتی۔ گل فردوس" اور روضۃ النعیم۔ یہ تینوں میر نجات کے "گل کشتی" کے وزن میں لکھی گئی ہیں۔ گل بہشتی کا سر آغاز یہ ہے ؎

از ہمہ راہ رو فقر چو دلخواہ بود   زانکہ الفقر فخری اخر الامر ھو اللہ بود

ان تینوں مثنویوں میں صدہا بزرگوں کے حالات اور اون کی مدحت ہے۔ تخمیناً پچیس تیس ہزار اشعار ہوں گے۔ ہر بزرگ کی توصیف و تعریف میں مختلف الفاظ۔ تنوع مضامین اور جداگانہ ادائے منقبت کی شان ہے۔ اس سے بھی کمال فن کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔

مثنویوں کے علاوہ فارسی غزلیں بھی ہیں مگر ردیف وار نہیں جن پر دیوان کا اطلاق ہو سکے۔ اردو کا دیوان ردیف وار مرتب ہے۔

شاعری میں آپ کسی کے شاگرد نہ تھے۔ طریقت میں حضرت شاہ جمال علی بلخی قدس سرہٗ شیخ پوروی کے مرید تھے۔ اور حضرت شاہ ولایت علی اسلام پوری قدس سرہٗ سے ارشاد لیا تھا۔ آپ کے زمانے میں آپکے مریدین و مسترشدین کا شمار ایک لاکھ کے قریب بتایا جاتا ہے۔ ۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

دیوان اُردو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ اور اردو کلام اس کے پیشتر کبھی منظر عام پر نہ آسکا۔ اس کے علاوہ آپ کا سب کلام متعدد بار طبع ہو چکا ہے۔ آپ فارسی میں ثبات اور اُردو میں شوق تخلص فرماتے تھے۔ اب نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

مثنوی

بنام خداوند عرش برین   بہر بندہ بیش از رگ جان قرین
مبرا ز ضد و شبیہ و نظیر   شہنشہ ولے بے مشیر و وزیر

عظیم العطایا جزیل الکرم   مزیل الخطا یا کفیل الامم
ملاذ رسولاں قدیم العدیل   مطاع کریماں اصیل النبیل

غزل فارسی

پایم از کفش و سرم از کلہ آزاد آمد   دل بہ عشق تو ز غمہائے جہاں شاد آمد
در سر لیلی و شیریں دل قیس و فرہاد   در جہاں کیست کہ از بند غم آزاد آمد
دیدہ در مرحلۂ شوق ز بس بیتابم   بے زباں بود جرس لیک بہ فریاد آمد

شاعری میں آپ کسی کے شاگرد نہ تھے۔ طریقت میں حضرت شاہ جمال علی بلخی قدس سرہٗ شیخ پوروی کے مرید تھے۔ اور حضرت شاہ ولایت علی اسلام پوری قدس سرہ سے ارشاد لیا تھا۔ آپ کے زمانے میں آپکے مریدین و مسترشدین کا شمار ایک لاکھ کے قریب بتایا جاتا ہے۔ ۱۳ جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

دیوان اُردو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ اور اردو کلام اس کے پیشتر کبھی منظر عام پر نہ آسکا۔ اس کے علاوہ آپ کا سب کلام متعدد بار طبع ہوچکا ہے۔ آپ فارسی میں ثبات اور اُردو میں شوق تخلص فرماتے تھے۔ اب نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

مثنوی

بنام خداوند عرش بریں — بہر بندہ بیش از رگ جان قریں
مبرا ز ضد و شبیہ و نظیر — شہنشہ ولے بے مشیر و وزیر

عظیم العطایا جزیل الکرم — مزیل الخطایا کفیل الامم
ملاذ رسولاں قدیم العدیل — مطاع کریماں اصیل النبیل

غزل فارسی

پایم از کفش و سرم از کلہ آزاد آمد — دل بہ عشق تو ز غمہائے جہاں شاد آمد
در ہوس لیلیٰ و شیریں دل قیس و فرہاد — درجہاں کیست کہ از بند غم آزاد آمد
دیدہ در مرحلہ شوق زبس بیتابم — بے زباں بود جرس لیک بہ فریاد آمد

کے ز عشاق شد ایں دشت محبت خالی — رفت مجنوں اگر از بادیہ فرہاد آمد

لوح دل را ہمہ ز اعداد محبت پر کن — کہ دریں نقش معظم اثرے نیست کہ نیست
کاسۂ فقر عجب نعمت الواں دارد — کہ بہ کشکول گدا ما حضرے نیست کہ نیست

حاصل ہر دو جہاں نقد محبت باشد — پیش ما فائدہ کون و مکاں ایں ہمہ نیست
در بتاں جلوۂ انوار خدا می بینم — ورنہ مارا غرض از روئے بتاں ایں ہمہ نیست

آں کسے نقد بقا برد ازیں دار فنا — کہ جز از ذات تو باقی ہمہ فانی دانست

رفت از خویش چناں در طلب یار ثبات — کس نمی یابیم در ہر دو سرا ہیچ کہیم

نمونۂ کلام اُردو

اللہ تیرا نام جو انعام ہو گیا — جاری میری زباں پہ ترا نام ہو گیا
کر اس کی جستجو وہ ملیگا تجھے ضرور — کوشش جو تو نے کی تو ترا کام ہو گیا

دیکھا جب پائے حنائی کو ترے دل پس گیا — پائمال خوبی رفتار آنکھیں ہو گئیں

کوئی اور غم مجھکو ہوتا تو ہوتا — مگر رنج فرقت خدایا نہ ہوتا
فلک ہم سے اے شوق اگر میل رکھتا — تو اس عہد سے [illegible] نہ ہوتا

ہے وادی یاہوت کی یاں دشت نوردی — کس طرح سے تھکوں ہو بھلا ہم قدم اپنا
عقبیٰ میں اسی کیلئے ہے راحت و شادی — دنیا میں جو کرتا ہے غم [illegible]

نکلا زار عشق سے اے شوق نکلو تم کہیں — گلشن ہستی سے [illegible]

تن سے سر کٹ گیا حل ہو گئی مشکل میری — واہ کیا عقدہ کھلتا ناخن شمشیر [illegible]

طرز غالب مجھے اب شوق بہت ہے مرغوب   ابتدا میں تو میں کچھ معتقد میر بھی تھا

کئی دن سے ان کو جو دیکھا نہیں ہے   میری روح قالب میں گویا نہیں ہے

مر زلف سیہ پر دل جو شیدا ہو تو ہونے دو   گرفتار بلا گر کوئی ہوتا ہو تو ہونے دو

ملتی گر تصویر یوسف کی مجھے   تیری صورت سے ملا کر دیکھتے

عشق سے جتنا مجھے زوال ہوا ہے   اتنا ہی وہ باعث کمال ہوا ہے

کیا ہو رہائی کہ مرے طائر دل کو   دام بلا گیسوؤں کا جال ہوا ہے

شوق غزل سے عیاں ہے وحشت خاطر   ہم سے رمیدہ جو وہ غزال ہوا ہے

رباعی

جس دم ہم ہاتھ میں قلم لیتے ہیں   ارباب سخن جھکا کے قدم لیتے ہیں

نقد تعلیم ان کو ہم دیتے ہیں   جنس تعظیم ان سے ہم لیتے ہیں

شوکت۔ مولوی سید آل احمد عرف مولوی آلے صاحب خلف مولوی سید اصغر حسین متوطن موضع روہائی ضلع گیا۔ مقیم عظیم آباد نواب لطف علی خاں بہادر سی، آئی، ای، کے مدار المہام تھے۔ مولوی اولاد علی کا آتش سے تلمذ تھا۔ ایک دیوان اردو اور مثنوی حجاب شوکت ان کی تصنیف سے غیر مطبوعہ ہے۔ ۱۳۱۵ھ میں ساٹھ برس کی عمر میں انتقال کیا ؎

خبر ملی تو وہ میت پہ میری آ کے ملے   یہ کیا ملے جو مجھے خاک میں ملا کے ملے

ملے وہ خاک میں آنسو جو چشم تر سے گرے   خدا کرے نہ کسی کی کوئی نظر سے گرے

شہرت۔ خواجہ محمد شاہ ولد خواجہ عبد الوہاب۔ عظیم آباد کے رہنے والے۔ وطن اصلی کشمیر تھا۔ منشی مہدی بخش تسلیم سے تلمذ تھا۔ اور اس دیار کے متعدد شعرا ان کے شاگرد تھے ؎

کرتے ہیں تعریف ابروئے بت بے پیر کی   دیکھنا تیزی ہماری برش شمشیر کی

آگئی اوس جنگ جو کی یاد جو ہنگام غسل   موج دریا میں روانی ہوگئی شمشیر کی

تاثیر محبت بھی عجب کچھ نظر آئی   دل ہی میں دل یار کی اپنے خبر آئی

آج آنکی اوس شوخ کے اڑتی خبر آئی   ہم خوش ہیں کہ کچھ آہ رسا کام کر آئی

شہرت۔ منشی محمود۔ باشندۂ عظیم آباد ؎

دیکھتے ہیں اوس کے بسمل انگلیوں سے زرد دل   صید گہ میں صاف ہے شمشیر قاتل آئینہ

خود نما کب آسکیں روشن دلوں کے سامنے   ہو سکا کب مہر تاباں کے مقابل آئینہ

شہید۔ مولوی یوسف علی۔ باشندۂ بہار۔ شاگرد نجم۔ ۱۲۸۰ھ میں حیات تھے ؎

ہے تماشا گلستاں اپنا چراغ خانہ ہے   دید کے قابل یہ جنگ بلبل و پروانہ ہے

شبیر۔ سید محمد شبیر۔ متوطن بہار۔ سید محبوب شبیر کلکتہ کے خویش اکبر تھے۔ مرزا غالب اور وحید الہ آبادی سے تلمذ تھا ؎

ہم کو دلیل عشق حقیقی ہوا مجاز   آوارگی نے کام دیا خضر راہ کا

صادق۔ صادق علی خاں باشندۂ عظیم آباد ؎

کیا دخل ہم وفا پہ رہیں اور جفا سے یار　　سو مرتبہ زمانے میں گر انقلاب ہو

منشی سید فرزند احمد صفیرؔ (بلگرامی)

صفیرؔ تخلص۔ سید فرزند احمد نام۔ خلف سید عبدالحی عرف میر سید احمد آحمدؔ داروغہ آبکاری ضلع مونگیر بن حکیم حاجی مولوی سید غلام یحییٰ حسینی واسطی بلگرامی وطن اصلی قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی صوبہ اودھ تھا۔ ۲۸ ذیقعدہ ۱۲۴۹ھ کو بہ مقام مارہرہ ضلع ایٹہ متصل علیگڈھ کول اپنے نانہال میں پیدا ہوئے۔ تین برس کی عمر میں اپنے وطن بلگرام میں آئے۔ اور پانچویں برس بہ مقام آرہ ضلع شاہ آباد صوبہ بہار میں اپنے جد و والد کے ساتھ آکر سکونت پذیر ہوگئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

مولد و مسکن۔ وطن ہائے صفیرؔ　　تین جا مارہرہ۔ آرہ۔ بلگرام

چودھویں برس شاعری کا شوق ہوا۔ پندرہویں برس سید محمد مہدی خبیرؔ بلگرامی اپنے پھوپھا کے شاگرد ہوئے۔ بیسویں برس لکھنؤ جا کر شیخ امان علی سحرؔ (تلمیذ ناسخؔ) سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ چھبیسویں برس ۱۲۷۳ھ سال غدر میں مرثیہ گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ اس میں مرزا دبیرؔ سے اصلاح لی۔

ان کے نانہالی قرابت مندوں میں اکثر لوگ اہل سنت و الجماعت تھے۔ ان کے نانا حضرت صاحب عالم صاحب سجادہ نشین مارہرہ اور مرزا غالبؔ سے خط و کتابت برابر رہتی تھی ۱۲۸۰ھ میں ان کی خواہش ہوئی کہ حضرت غالبؔ کے شاگرد ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ایک عریضہ مع دو غزل فارسی اور دو غزل اردو کے برائے اصلاح مارہرہ سے روانہ کیا۔ حضرت غالبؔ نے بعد اصلاح آٹھویں دن جواب سے سرفراز فرمایا۔ کچھ دنوں تک اسی طرح خط و کتابت رہی یہاں تک کہ ۱۲۸۲ھ میں یہ اپنے ماموں حضرت شاہ عالم کو ساتھ لیکر دہلی میں حضرت غالبؔ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بطور ایک عزیز اور معزز مہمان کے کئی مہینے تک وہاں مقیم رہے۔ آخر رمضان ۱۲۸۲ھ تک آرہ واپس آئے۔

دلی سے آرہ واپس آنے کے بعد سے حضرت صفیرؔ کی عظیم آباد میں اکثر آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ نواب سید ولایت علی خاں بہادر (سی آئی ای) کے خلف اکبر نواب تجمل حسین خاں عرف سلطان صاحب سلطانؔ اور شہر کے بعض عمائدین ان کے فیض تلمذ سے بہرہ مند ہوئے۔ اور

۵ ۱۲۹۴ھ میں ان کے نام سے رسالہ "مرقع فیض" (تذکرۂ تلامذہ صفیر بلگرامی) شائع ہوا تھا جس کی بنا پر حضرت سخن دہلوی کے ایک شاگرد سردار مرزا کی طرف سے رسالہ تنبیہ صفیر بلگرامی نہ شائع کیا گیا۔ اور حضرت شاد سے بھی رسالہ بازیاں ہوئیں۔ یہ سب رسالے چھپے ہوئے ہیں۔

۱۹۔ تذکرہ مردم دیدہ۔ ۲۰۔ تذکرہ جلوہ خضر ۳ جلد۔ یہ کتاب اُردو کے امتحانات بی۔ اے۔ و ام۔ اے میں ہنوز کار آمد خیال کیجاتی ہے مگر افسوس ہے کہ مطبوعہ کتابوں کے ماسوا اس فہرست کی اکثر کتابیں اب بالکل نایاب ہیں۔ غالباً کیڑوں کی نذر ہو گئے۔ تاہم بعض کتابوں کے قلمی نسخے مولوی سید عنایت احمد صاحب بلگرامی ڈپٹی مجسٹریٹ نبیرہ صفیر بلگرامی کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ جو اون کی عنایت سے اس فقیر کی نظر سے گذرے۔

مشہور ہے کہ ان کی زبان میں لکنت بے انتہا تھی جس کے باعث مشاعروں میں پڑھتے وقت بعض اوقات کسی لفظ کا پہلا حرف کہتے کہتے لیٹ جانے کی نوبت آجاتی تو وہ پورا لفظ ادا ہوتا تھا۔ اسی خیال سے عموماً پشت کی جانب گاؤ تکئے لگا دئے جاتے تھے۔

بتاریخ بستم ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۲ مئی سنہ ۱۸۹۰ء پٹنہ میں انتقال کیا۔ اور آرہ میں مدفون ہوئے۔

اب نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

نہ کوئی حال پہ اپنے رویا ۔۔۔ روئے تم سامنے آنے کیلئے

دلا نہ آنکھ میں ہوں نیوں کے سوا آنسو ۔۔۔ گناہ ہے جو پئیں ساغر شراب میں آب

ہیں محتسب ہی کو کوسونگا پانی پی پی کر ۔۔۔ تمام عمر ہوں گا تم شراب میں آب

نہیں ہے ربط تنک ظرف کو جہ استقرار ۔۔۔ ٹھہر سکے نہ کبھی ساغر حباب میں آب

بادۂ عشرت ہوش ربا تھا رات جو میں نے جام لیا ۔۔۔ بارے یہ جرأت ساقی نے کی دوڑ کے مجھکو تھام لیا

قتل کیا تو خجلت کیسی چھپ سکتا تھا خون کہیں ۔۔۔ جس نے سُنا احوال ہمارا اوس نے تمہارا نام لیا

دیکھنے مجکو آجاتے تو بات تو ہوتی کہنے کو ۔۔۔ عمر تو آخر ہو ہی چکی تھی تم نے عبث الزام لیا

ترے لب پہ ہم جو فدا ہوئے تو اثر نمائے بقا ہوئے
جو چلے تو قُم کی صدا ہوئے جو گرے تو خاک شفا ہوئے

یہ ہمیں ہیں اے فلکو نہ تم کہ رہین رنج و بلا ہوئے
جو سُنا الست بربکم وہیں نغمہ سنج بلیٰ ہوئے

لو اب آئیں موت کی ہچکیاں کوئی دم میں بند ہوئی زباں
کوئی کہدے میری طرف سے واں ترے حق سے ہم تو ادا ہوئے

گری برق طور جو یک بیک تو لرز گیا دل کوہ تک
اوڑے سنگ ریزے جو ہر طرف تو بتوں میں جلوہ نما ہوئے

نہ وہ لن ترانیوں کا پتہ نہ وہ بے نیازیوں کا مزا
یہ صنم ہزار طرح سے نہ کسی طرح سے خدا ہوئے

دم نزع منہ مرا بہر خدا سوئے قبلہ آپ ہی پھر گیا
مرے طائران نظر جو تھے وہی مرغ قبلہ نما ہوئے

زیر فلک ہٹا دو جو منہ سے نقاب کو — لگ جائیں چار چاند مہ و آفتاب کو

ایک نالے میں نہ یاروں کچھ ملا خاک کا ڈھیر — لے اڑا ساتھ مگر شعلۂ فریاد مجھے

شاہ فرزند علی صوفی

صوفی تخلص۔ اصل نام سید ابو محمد جلیل الدین حسین تھا (معروف بہ شاہ فرزند علی) منیر شریف کے مخدوم زادوں میں تھے۔ ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ درسیات میں فارغ التحصیل اور صاحب علم و فضل تھے نظم کے علاوہ نثر میں بھی صاحب تصنیف ہیں۔ حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین بہاری قدس سرہ کے احوال میں "وسیلۃ الشرف" جو فارسی زبان میں ہے آپ ہی کی تصنیف سے ہے۔ شاعری میں مرزا غالب کے شاگرد تھے۔ علاوہ دیوان فارسی اور اردو کے تین مثنویاں "دود عشق" "کشش عشق" اور "لوار الحمد" آپ سے یادگار ہیں۔ مندرجہ ذیل مثنوی کے چند اشعار میں ایک شعر پر مرزا غالب نے تین صاد بنائے تھے ؎

فخر عالم گہر تاج رسل — خواجۂ کون و مکان مرجع کل

قرشی با صرہ عین حضور — اولیں موجود دریائے ظہور

نور حق جلوۂ رب شان اللہ — ہے تو بندہ مگر اللہ اللہ ص ص ص

جن دنوں مرزا غالب کے مشکل اور [illegible] اشعار پر [illegible] کے

بعض لوگ منہ آتے تھے اور یہ کہا گیا تھا کہ ؎

کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے — مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

تو مرزا کے اکثر تلامذہ نے استاد کی جانب داری اور حمایت میں نظمیں لکھی تھیں۔ چنانچہ حضرت صوفی نے بھی دو رباعیاں لکھ کر بھیجی تھیں جن میں اس رباعی پر مرزا نے دو صاد کئے تھے ؎ رباعی

سیف زباں سے انہیں پہچانتے ہیں — غالب وہ ہیں سب اہل سخن جانتے ہیں

یہ شیر خدا کے نام کی ہے برکت — تو ہاں اسد اللہ کا سب مانتے ہیں

جناب صوفی کا کلیات اردو و فارسی ہنوز غیر مطبوعہ ہے راقم کو مندرجہ ذیل انتخاب کلام جناب حکیم شاہ سید محمد الیاس صاحب یاس بہاری سے دستیاب ہوئے جن کو انہوں نے مختلف کتب مطبوعہ سے جو خود حضرت صوفی کی تصنیف کردہ ہیں۔ بتوسط جناب شاہ اکرام الدین احمد صاحب عرفان اسلام پور میں فراہم کیا تھا جناب صوفی نے ستر برس کی عمر میں ۱۳۱۸ھ میں انتقال کیا۔

نمونہ کلام اردو یہ ہے ؎

لاکھوں ہیں دنیا میں جنت ہوا و عبادت والے — کم ہیں دو چار ہی نکلیں گے محبت والے

باتیں اچھی ہیں [illegible] تو بس آتی ہے — نیک اپنے کو سمجھتے ہیں نصیحت والے

[illegible] اور قدم میں [illegible] — ہیں ترے جلوہ کی حیرت میں حقیقت والے

بعض لوگ منہ آتے تھے اور یہ کہا گیا تھا کہ ؎

کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے   مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

تو مرزا کے اکثر تلامذہ نے استاد کی جانب داری اور حمایت میں نظمیں لکھی تھیں۔ چنانچہ حضرت صوفی نے بھی دو رباعیاں لکھکر بھیجی تھیں جن میں اس رباعی پر مرزا نے دو صاد کیے تھے ؎ رباعی

سید تیغ زباں سے انہیں پہچانتے ہیں   غالب وہ ہیں سب اہل سخن جانتے ہیں
یہ شیر خدا کے نام کی ہے برکت   لوہا اسد اللہ کا سب مانتے ہیں

جناب صوفی کا کلیات اردو و فارسی ہنوز غیر مطبوعہ ہے راقم کو مندرجہ ذیل انتخاب کلام جناب حکیم شاہ سید محمد الیاس صاحب یاس بہاری سے دستیاب ہوئے جن کو انہوں نے مختلف کتب مطبوعہ سے جو خود حضرت صوفی کی تصنیف کردہ ہیں۔ بتوسط جناب شاہ اکرام الدین احمد صاحب عرفاں اسلام پور میں فراہم کیا تھا جناب صوفی نے ستر برس کی عمر میں [illegible]ھ میں انتقال کیا۔

نمونہ کلام اردو یہ ہے ؎

لاکھوں دنیا میں ہیں زہد و عبادت والے   کہیں ڈھونڈھے ہی نکلیں گے محبت والے
[illegible]   [illegible] سمجھتے ہیں نصیحت والے
[illegible] اور قدم ہے تقصیر   ہیں ترے جلوہ کے حیرت میں حقیقت والے

دیکھتے ہیں حشر کوچہ میں ہم اپنے سر پہ   جو کہ دیکھیں گے قیامت میں قیامت والے

قدموسی تری کرتا زمین آستاں ہو کر   خجل ہے آسماں قسمت سے اپنی آسماں ہو کر
دوا کرتا ہے غم اس ناتواں کی استخواں ہو کر   خوشی آتی ہے جب دل میں نکلتی ہے فغاں ہو کر
اٹک کر رہ گئے زاہد ہم سے پی کے چل نکلے   گلی ہے راہ کوئے یار کی باغ جناں ہو کر

چھالا ہے تیرے اشک کا حیراں کہیں جیسے   سایہ وہ ہے مرا شب ہجراں کہیں جیسے
جلوے کو تیرے حشر کا کیوں انتظار ہے   جلوہ ترا ہے حشر کا ساماں کہیں جیسے

داغ تو دل کے جلتے ہیں صوفی   شمع گر اپنی قبر کی گل ہے

گر حسب خواہ گردش ایام چاہیے   تو دور جام مے سحر و شام چاہیے
مسجد گیا تھا صبح مناجات کے ساتھ   پر اس لیے کہ وصل دل آرام چاہیے

صوفی۔ حکیم احمد حسین متوطن گوالیار مقیم عظیم آباد۔ بانی مدرسہ صوفی۔ انہوں نے الف با کا ایک نیا قاعدہ ایجاد کر کے ابتدائی طریقہ تعلیم میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا ؎

اے صوفی مست ہی وحدت ہو لیا ہاں   کثرت سے مجھے نشہ توحید ہوا ہے

صولت۔ مولوی سید محبوب بشیر خلف مولوی سید واحد بشیر۔ متوطن موضع محسن پور ضلع عظیم آباد۔ تلمیذ رشید مولوی محمد احسن احسن بلگرامی۔ ۱۳۲۸ھ میں بعالم شباب میں انتقال کیا۔ ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے جس کو ان کے خلف الرشید حافظ سعید

عاصی محمد خیرات حسین متوطن عظیم آباد شاگرد حکیم آغا حسن آزل

عارض پہ یہ نمو نہیں خط سیاہ کا
دھواں اٹھا ہے برق جبیں کی سپاہ کا

عاصی محمد خدا بخش متوطن عظیم آباد ھ

کیا کیا نظر آرہے ہیں گل رو
آباد رہے چمن ہمیشہ

عالی ـ علی نواب ـ متوطن عظیم آباد ـ شاگرد آفتاب الدولہ

قلق لکھنوی ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے ھ

تیری طرح سے رہنے لگے وہ بھی بے قرار
شاید یہ اون پہ صبر پڑا میری آہ کا

عباس ـ ناظر عباس علی خلف ناظر عبد العلی ساکن علی گنج سیوان ـ شاگرد محمد شاہ شہرت ـ غدر میں مارے گئے ھ

آب حیواں کا ترے لب میں اثر ہے کہ نہیں
صاف ظلمات تری زلف دو سر ہے کہ نہیں

ناظر میر وزیر علی عبرتی

متوطن قصبہ باڑھ ضلع عظیم آباد ـ شاگرد رشید راجہ پیارے لال الفتی ـ اس دیار کے اکثر شعرا ان کے شاگرد تھے ـ ابتدا میں نواب روشن الدولہ محمد مہدی قلی خاں بہادر شوکت جنگ کے یہاں ملازم تھے ـ اس کے بعد نواب ضیاء الدولہ سید محمد حسن خاں تہور جنگ کے یہاں اور پھر انتظام الملک راجہ بھوپ سنگھ بہادر کے یہاں منشی گری پر مامور رہے ـ تذکرہ "روز روشن" اور "اعجاز المحبت"

و "معراج الخیال" وغیرہ ان کی تصنیفات سے ہیں ھ

مہ پارۂ خورشید عذاری چہ تواں گفت
یک ذرہ سر مہر نداری چہ تواں گفت

ما را گر بجانیم خریدار وصالت
از مہر فروشاں نشماری چہ تواں گفت

کارش ہمہ بیتابی و زنہار نہ گفتی
اے عبرتی ایں بیچہ کاری چہ تواں گفت

عزیز ـ سید عبد العزیز رئیس بہار محلہ بارہ دری صاحب دیوان بھی تھے ھ

مرقد پہ بھی ہوں صورت سیماب بے قرار
کشتہ ہوں کس کی شوخی برق نگاہ کا

عطا ـ آغا مرزا ـ متوطن عظیم آباد ۱۲۹۵ھ میں حیات تھے ھ

دھوکا ہوا جو رخ پہ ترے مہر و ماہ کا
بیشک قصور ہے یہ ہماری نگاہ کا

علم ـ دوست محمد ـ متوطن گیا ـ شاگرد شاہ محمد اکبر داناپوری ھ

وہ مہر حسن کہتے کہ لیتے ہی چھا گیا ہو آج
اترا ہوا سا منہ نظر آتا ہے ماہ کا

علیم ـ محمد علیم الدین ـ متوطن عظیم آباد محلہ لودی کٹرہ شاگرد میرن صاحب نکہت ھ

پہلو میں درد آنکھ میں آنسو لبوں پہ آہ
ثمرہ یہ ملا علیم ملا ہم کو چاہ کا

عمر ـ محمد عمر ـ متوطن عظیم آباد ـ پورب دروازہ سرکل میں جمعدار تھے ھ

تیر قضا جو خلق میں مشہور عام ہے
وہ ایک کرشمہ ہے تری ترچھی نگاہ کا

عیش ـ نواب ریاست علی خاں خلف نواب اقبال علی خاں

رئیس داؤد نگر۔ ضلع گیا۔ تلمیذ **کاہش** جون پوری۔ غدر میں ان کی کل جائداد ضبط سرکار ہوگئی تھی۔ مگر معقول وظیفہ ماہوار آخر عمر تک ملتا رہا۔ ۱۳۱۶ھ میں انتقال کیا۔ ایک دیوان اردو غیر مطبوعہ ایک دیوان فارسی۔ ایک مثنوی غیر مطبوعہ اور ایک مثنوی ”رموز عشق“ مطبوعہ ان کی تصنیف سے ہے

موج پر اشکوں کا میرے اسقدر سیلاب تھا ۔۔۔ آسماں کا دائرہ بھی حلقۂ گرداب تھا
ہماری گردش تقدیر اب کچھ رنگ لائیگی ۔۔۔ بگولہ بن کے اٹھتا ہے غبار اپنے بیاباں کا

غلام۔ غلام نبی خان قوم افغان۔ ساکن محلہ باقر گنج پٹنہ شاگرد **صفیر** بلگرامی بعد غدر شریک مشاعرہ ہوتے تھے۔ چند سال کے بعد ڈوب کر مر گئے

ندی ہے ہر مژہ مری چشم پر آب کی ۔۔۔ پھبتی ہے میرے دیدۂ تر چشم حباب کی
ایسا دیا خدا نے ہنر اک غلام کو ۔۔۔ لو آتی ہے پسینے سے جس کے گلاب کی

قائز۔ سید ہادی علی خاں رئیس عظیم آباد ہیں

پہچانے لیکے نام بہت اوس کی چاہ کا ۔۔۔ پہلے خیال دل کو نہ آیا سیاہ کا

فدوی۔ لالہ ملوک رام وکیل عدالت دیوانی پٹنہ ہیں

جی کو نہ چین ہوئے نہ آرام پائے دل ۔۔۔ پھر کس امید پر کوئی تم سے لگائے دل

فرحت۔ سید فرحت علی باشندہ عظیم آباد ہیں

سرمہ ہوں یوں نہ دیدۂ اہل نگاہ کا ۔۔۔ آخر غبار بھی تو میں ہوں کس کی راہ کا

فرحت۔ قاضی سید فرحت حسین رئیس عظیم آباد محلہ بخشی شاگرد حضرت **وحید** الہ آبادی ہے

ہر دم جو تری چال کا انداز نیا ہو ۔۔۔ ایک حشر کئی رنگ سے دنیا میں بپا ہو

فرد۔ وحید الدین خاں عرف خدا بخش خاں ولد محسن خاں قوم یوسف زئی۔ باشندہ دربھنگہ۔ شاگرد **مصحفی** صاحب دیوان اور صاحب تلامذہ تھے

کبھی کعبہ کبھی بت خانہ ہے مسکن اپنا ۔۔۔ دین و مذہب کہوں کیا شیخ و برہمن اپنا
بیتاب ہوں میں تشنگی نزع سے قاتل ۔۔۔ ٹپکا دے تو آب دم شمشیر گلے میں

فروغ۔ عنایت علی خاں ولد قادر علی خاں عظیم آبادی شاگرد احمد علی **کامل** آتو صاحبہ قدسیہ محل کے منہ بولے بیٹے تھے

کیا ہو فاتحہ خوانی کو قبر پر ۔۔۔ عزت ہماری بعد فنا ہو تمھیں سے ہاتھ
جوبنت نشاں ہیں انداز ہے ادسے ۔۔۔ کہتا ہے میرے پاؤں سے تو رکھ کنارے ہاتھ

سید شاہ الفت حسین **فریاد**

فریاد تخلص۔ سید شاہ الفت حسین نام خلف سید شاہ [illegible] محب اللہ۔ متوطن موضع اسلام دیوبیرہ متصل

سرمہ ہوں میں نہ دیدۂ اہل نگاہ کا — آخر غبار بھی تو میں ہوں کس کی راہ کا

فرحت۔ قاضی سید فرحت حسین رئیس عظیم آباد محلہ بخشی شاگرد حضرت **وحید** الہ آبادی ؎

ہر دم جو تری چال کا انداز نیا ہو — ایک حشر کئی رنگ سے دنیا میں بپا ہو

فرد۔ وحید الدین خاں عرف خدا بخش خاں ولد محسن خاں قوم یوسف زئی۔ باشندہ دربھنگہ۔ شاگرد **مصحفی** صاحب دیوان اور صاحب تلامذہ تھے ؎

کبھی کعبہ کبھی بت خانہ ہی مسکن اپنا — دین و مذہب کہوں کیا شیخ و برہمن اپنا
بیتاب ہوں میں تشنگیِ نزع سے قاتل — ٹپکا دے تو آب دم شمشیر گلے میں

فروغ۔ عنایت علی خاں ولد قادر علی خاں عظیم آبادی شاگرد احمد علی **کامل** آتو صاحبہ قدسیہ محل کے منہ بولے بیٹے تھے ؎

آیا کرو فاتحہ خوانی کو قبر پہ — عزت ہماری بعد فنا ہے تمہارے ہاتھ
بہت تشنہ ہاں ہیں اگر ہو ادھر سے — کہتا ہے میرے پاؤں سے تو رکھ کنارے ہاتھ

سید شاہ الفت حسین **فریاد**

فریاد تخلص۔ سید شاہ الفت حسین نام خلف سید شاہ [illegible] محب اللہ۔ متوطن موضع اسلام پور دیورہ متصل

پیر بیگہ ضلع گیا۔ ۵ رجب ۱۲۱۹ھ کو پیدا ہوئے۔ تیرھواں سال تھا کہ ان کے والد نے انتقال کیا جب سے یہ عظیم آباد میں اپنے نانا کے یہاں رہنے لگے۔ درسیات عربی و فارسی میں فارغ التحصیل تھے۔ ۱۸۳۲ء میں عظیم آباد میں پہلے پہل اسکول قائم ہوا تھا۔ یہ ایک عرصے تک اسکول میں فارسی زبان کے مدرس رہے۔ پھر مستعفی ہوکر ۱۸۳۶ء میں مرشد آباد چلے گئے اور وہاں ریذیڈنٹ صاحب کے توسل سے مرشد زادوں کی اتالیقی پر تین برس تک ملازم رہے۔ اس کے بعد ۱۸۴۲ء میں نظامت کی طرف سے سفیر مقرر ہوکر کلکتہ بھیجے گئے اور سولہ برس تک اس عہدے پر ممتاز رہے۔ پھر بوجوہ اس سے بھی استعفا دیا۔ اور ایک اخبار "آئینہ گیتی نما" نظم و نثر میں نکالنا شروع کیا۔ جو بنگال میں مشرقی زبان کا شاید پہلا اخبار تھا۔ اس کے بند ہونے کے بعد ان کے احباب اور شاگردوں نے ۱۸۶۵ء میں "سلطان الاخبار" نکالا۔ پھر تیسرا اخبار "دوربین" نکلا ان سب اخباروں میں ان کی نظمیں اور نثر کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ غرض اس طرح مسلسل ۳۱ سال تک کلکتہ میں مقیم رہے اس طویل مدت کے درمیان کچھ دنوں کے لئے صرف دو بار عظیم آباد آئے تھے۔ پہلی بار ۱۸۵۵ء میں صرف چار ماہ کے لئے۔ اور دوسری دفعہ

عظیم آبادی کا شاگرد بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ "بیشتر فارسی کہتے ہیں۔ اپنی شاعری کا بہت غرور رکھتے ہیں"۔ اس سے یہی پایا جاتا ہے کہ اردو میں حقیقتاً بہت کم کہتے تھے۔

بہر حال۔ فارسی میں مثنوی "گنجینۂ عشق" مثنوی "دبستان اخلاق"۔ مثنوی "روضۃ المعانی" اور چھ سات دوسری مثنویاں ایک فارسی غزلوں کا دیوان۔ اور دس بارہ عربی قصیدے تھے جن میں دو تین قصیدے اور ایک مثنوی "تہذیب الاخلاق" چھپ گئی تھی۔ باقی کا پتہ نہیں۔

اردو میں بھی ایک قصیدہ۔ ایک مثنوی "طلسم جہاں" اور غزلیں تھیں۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

نہ وہ تیغ غضب سے بن آئی کبھی نہ وہ خنجر برق بلا نے کیا
جو بہ عہد قضا نے کیا وہی آن میں تیری ادا نے کیا
نہ بشاشتیں تھیں نہ وہ ہنسی نہ مخاطبت تھی [illegible]
رہے سر کو جھکائے وہ دیر تلک یہ غضب مری آہ رسا نے کیا
شب غم میں جو آئی زباں پہ مری مرے دم کو بھی ساتھ ہی لیتی گئی
مرے ساتھ کیا وہی آہ نے بھی جو چراغ کے ساتھ ہوا نے کیا

ہر ایک کو پا نشاں لیکن تجھی کو بے نشاں پایا | مگر اس بے نشانی پر جہاں ڈھونڈا وہاں پایا

گئے جس جس جگہ بسنے کو خواہاں اماں ہو کر | زمیں قدموں کے نیچے سر کے اوپر آسماں پایا
مدد کرتی ہے تو اس وقت جب چارہ نہیں رہتا | زمانہ میں تجھی کو اے اجل اک مہرباں پایا
خدا جانے قویٰ کس طرح کے اس کے بنائے تھے | عروس دہر کو فریاد جب دیکھا جواں پایا

مٹتی رہی ہے ترے قدم کے نشان پر | کیونکر زمیں کو فخر نہ ہو آسمان پر
جھوٹی شراب ساقی پیماں شکن جو دے | آب بقا کو پھر نہ دھروں میں زبان پر

کچھ نہ پوچھو ان دنوں دل کو شکیبائی نہیں | رات بھر کس کس طرح چاہا پہ نیند آئی نہیں
دیکھ کر مکتوب میرا یوں دیا اس نے جواب | کہدے قاصد میرا اور ان سے شناسائی نہیں

جس کو دیکھا وہ خط باطل نظر آیا مجھے | صرف دیوانہ ترا عاقل نظر آیا مجھے
سارباں کہتی تھی لیلیٰ کہ تو بھی مڑ کے دیکھ | کوئی دیوانہ پس محمل نظر آیا مجھے
اللہ اللہ مرجع عالم ہے تیری بارگاہ | شاہ بھی در پر ترے سائل نظر آیا مجھے
کھل گئی وہ زلف تحریک صبا سے جس گھڑی | اس کے ہر اک پیچ میں اک دل نظر آیا مجھے
عمر گذری ہے فریاد بحر عشق میں | پر نہ اس کا آجتک ساحل نظر آیا مجھے

فرید۔ مولوی حاجی محمد فرید۔ متوطن پھلواری۔ ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے۔ وہیں ۱۳۲۸ھ میں انتقال کیا ؎

دکھا دو دل میں آہ و چشم تر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
وہاں وہ چمکے یہاں یہ برسے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
وہ بام پر اپنے خندہ زن ہے زمین آنسو سے میرے تر ہے

عجب ہی ایک سیر دوپہر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

فرید بعد از **نصیر** تونے کیا ہے سرسبز اس زمیں کو
قدم رکھے کون اس میں ڈر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

فضل - محمد فضل الرحمن - متوطن عظیم آباد ؎

بے فائدہ ہی حکم مجھے قتل گاہ کا
کافی فقط اشارہ ہی ترچھی نگاہ کا

فہمی - شیخ دیانت حسین خلف شیخ ہدایت علی - باشندہ بہار - ماڈل اسکول ضلع مونگیر میں مدرس فارسی تھے - فارسی و اردو دونوں میں فکر سخن کیا ہے **نساخ** کے شاگرد تھے ؎

نہ وہ میں ہوں نہ وہ زمانہ رہا
دل لگانے کا اب مزا نہ رہا

کی یہ اشک و حیا نے پردہ دری
راز میرا ترا چھپا نہ رہا

فیاض - فیاض حسین متوطن بریلی مقیم آرہ - برادر خورد ڈاکٹر حبیب اللہ - خواجہ فخر الدین حسین **سخن** دہلوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے ؎

راہ پر اپنے نہ اب تک وہ ستمگر آیا
عبث ایسے پر الٰہی دل مضطر آیا

قادر - مرزا قادر بخش - متوطن دہلی مقیم عظیم آباد شاگرد مولوی عبدالکریم خاں **آشنا** پھبکیتی میں مشہور تھے ؎

مانگ یاں تو نہیں اوس کے عیاں بالا سر
نہر حیواں کی ہے ظلمت میں رواں بالا سر

قاہر - لالہ جگت بہاری لال باشندہ عظیم آباد کوچہ چوہالال

شاگرد **صفیر** بلگرامی ؎

ہوتے ہیں وصل یار کے ساماں نئے نئے
پھر دل میں جمع ہوتے ہیں ارماں نئے نئے

آتا ہے آج سیر کو وہ غیرت بہار
بدلے گا اب تو رنگ گلستاں نئے نئے

قائل - سید علی خاں ولد میر فضل علی خاں عرف میر بڈھن عظیم آبادی - شاگرد **رشک** لکھنوی - بسبب قرابت شیخ فتح علی داروغہ نواب قدسیہ محل لکھنؤ گئے تھے - پھر کانپور میں مقیم رہے - راہ کربلا میں انتقال کیا - صاحب دیوان تھے ؎

دیکھتے ہی اوسے وہ شوخ مٹا دیتا ہے
کو دکاں مشق جو کرتے ہیں ترے نام کے حرف

نام گل مشق یہاں تک کئے ماشاء اللہ
خط گلزار ہوئے اوس بت گلفام کے حرف

قربان - میر قربان علی - باشندہ عظیم آباد ؎

نکالوں دل سے کیونکر اوس کماں ابرو کے پیکاں کو
کہ آزردہ نہیں کرتا ہے کوئی اپنے مہماں کو

قریب - خواجہ عبدالکریم ابن شیخ احمد علی - ساکن شہر گھاٹی ضلع گیا - تالیف و تصنیف کا بھی شوق تھا [illegible]ھ میں انتقال کیا ؎

جو دیکھا ترے روئے گلگوں کو ہنستے
تو پھر مجکو باغ ارم یاد آیا

قمر - مرزا غلام حسین - باشندہ عظیم آباد - شاگرد قاضی محمد صادق خاں **اختر** ؎

پاؤں کا تیرے مہندی لگانا غضب ہوا
والے بس گئے ہزار دل کے لئے غضب آئی حیرت

قمر۔ مولوی قمر الدین حیدر متوطن آرہ۔ شاگرد صفیر بلگرامی ؎

جس کو سب گردش چشم بتاں کہتے ہیں — میں نے دیکھا تو مری گردش قسمت نکلی
تو نے تو مانگا تھا دل جان بھی دیدی میں نے — حوصلہ سے ترے بڑھکر مری ہمت نکلی

کامل۔ شاہ مرشد حسین خلف طالب حسین عظیم آبادی ساکن دربھنگہ
بقول مولف "جلوہ خضر" مزاج میں کچھ وحشت تھی۔ سنہ ۱۳۰۱ھ تک حیات تھے۔ مرثیہ گوئی کا بھی شوق تھا۔ تحصیل علم کے لئے لکھنؤ گئے تھے پھر اپنے وطن کو چلے آئے۔ خواجہ وزیر لکھنوی کے شاگرد تھے ؎

چھنگلی انگشت حنائی سے بجا کر کہتے ہیں — بولتا ہے لال لو دیکھو حنا کے رنگ کا
نفع اپنوں سے نہیں ہوتا ہے بے تائید غیر — دیکھ سکتی ہے کبھی بے آئینہ رخسار آنکھ

کاہش مولوی اولاد علی۔ متوطن جون پور۔ مقیم گیا
عدالت دیوانی میں پیش کار تھے۔ مصحفی سے تلمذ تھا۔ اور اس دیار کے متعدد شعرا ان کے شاگرد تھے ؎

بیان حال دل زار ہو نہیں سکتا — یہ درد وہ ہے کہ اظہار ہو نہیں سکتا
رشک مقتل ہے ترا کوچہ بت قاتل مگر — گبر تڑپتے ہیں جدا کافر جدا ترسا جدا
یوں حسرت دل کبھی تھی فرہاد سے رو رو — تیشہ کو لگا سر پہ تو پچھتائے گا آخر

کبیر۔ رفعت حسین ساکن مفتی گنج ضلع پٹنہ۔ شاگرد صفیر بلگرامی۔ میر جان علی اصدق کے بڑے بھائی تھے ؎

عشق نے تیرے مجھے دیوانہ ایسا کردیا — راز دل میں جو مرے تھا سب ہویدا ہو گیا
آپ تو عیش میں دن رات رہا کرتے ہیں — ہم یہاں رنج و مصیبت کو سہا کرتے ہیں

کرامت۔ سید شاہ کرامت حسین ہمدانی ساکن بہار شریف محلہ اصل گڑھی۔ حضرت مخدوم سید ہمدانی عرف حضرت مخدوم منجھن کی اولاد میں تھے (سنہ ۱۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے) سنہ ۱۲۹۹ھ میں انتقال کیا ایک دیوان غیر مطبوعہ یادگار چھوڑا حضرت غالب سے تلمذ تھا

میری ہچکیوں کے شامل نکل آئے گا کلیجہ — جو یہی رہے گی حالت جو یہی رہے گا رونا

کلیم۔ سید خورشید احمد۔ منشی سید فرزند احمد صفیر بلگرامی کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے ؎

نزع میں بھی مجھے صورت نہ دکھائی ظالم — دید کی دل میں لئے جاتے ہیں حسرت کیسی

کلیم۔ حکیم سید محمد موسی متوطن موضع سید آباد ضلع گیا شاگرد حضرت مست بنارسی و حضرت شاہ عظیم آبادی ؎

اوس گل کے لئے برنگ بلبل — عاشق رہے نعرہ زن ہمیشہ

کوثر۔ عبدالواحد خاں۔ متوطن داناپور۔ شاگرد حضرت شاہ محمد اکبر داناپوری ؎

کس درجہ ضعف نے ہمیں مجبور کردیا — آنا لبوں تلک بھی ہے دشوار آہ کا

کیفی۔ سید منیر الدین احمد عرف منا میاں۔ خلف مولوی سید واہب حسین ساکن موضع روہائی ضلع گیا۔ مولوی اولاد علی

کاہش جون پوری کے شاگرد تھے اور خود بھی صاحب دیوان و صاحب تلامذہ تھے ۱۲۸۸ھ میں انتقال کیا ۔

ایک مدت سے جو ہم محو جمال یار ہیں — چشم حیرت بن کے مثل روزن دیوار ہیں
کشتگان عشق کا عقدہ ذرا کھلتا نہیں — ہر دہان زخم ہنستے ہیں یہ کیا اسرار ہیں

کیفی ۔ شاہ مبتلا حسین عرف شاہ میاں جان صاحب خلف حضرت شاہ نبی بخش صاحب متوطن عظیم آباد محلہ علی شہید تقریباً ۱۲۳۸ھ میں پیدا ہوئے ۔ بیعت و خلافت شاہ غلام حسین صاحب سے حاصل تھی ہندوستان سے باہر ملک برما میں آپ کے سینکڑوں مرید اور معتقد تھے ۔ ۱۲۸۰ھ میں انتقال کیا ۔ ایک دیوان یادگار چھوڑا جو بنام تاریخی اختر محمدی ۱۳۰۳ھ میں چھپ گیا تھا ۔ نمونۂ کلام ۔

مجھے اسقدر کیوں تری آرزو ہے — جو تو ہے سو میں ہوں جو میں ہوں سو تو ہے
جو آئینۂ دل میں دیکھا تو پیارے — تری شکل و صورت مرے ہو بہو ہے
اٹھا کر نظر جس طرف دیکھتا ہوں — جھلک روئے انور کی ہر چار سو ہے
ازل سے شب و روز دل کو ہمارے — تری آرزو ہے تری جستجو ہے
اب اس جوش الفت سے بڑھنا نہ کیفی — اسی میں ادب ہے اسی میں غلو ہے

گرامی ۔ سید نور احمد خلف ارشد جناب صفیر بلگرامی ۔

پروانہ کسی بات کی کھٹکا نہ کسی کا — سنتا ہی نہیں یہ دل دیوانہ کسی کا

گرم ۔ منشی بشیر الحق ۔ متوطن بہار ۔ عدالت منصفی میں سررشتہ دار تھے ۔

غضب ہے مر گئے عشق لب جاں بخش دلبر میں — لکھی تھی ہاتھ سے عیسیٰ کے موت اپنے مقدر میں

گیسو ۔ لالہ نند کشور سنگھ ۔ متوطن عظیم آباد ۔

گیسو نہ فکر کیجئے عقبیٰ کی دل میں آپ — دھو دیں گے رو کے اشک سے دفتر گناہ کا

لائق ۔ میر علی احمد خلف میر حیات علی ساکن مونجی ضلع شاہ آباد ۔ شاگرد صفیر بلگرامی ۔

اے بت تو اگر خفا ہوا ہے — مجھ بندۂ زار کا خدا ہے

ماہر ۔ مرزا محمد یوسف حسین عرف محمد امیر خلف آغا علی لکھنوی ۔ مہدی حسین خان آباد کے شاگرد تھے ۱۲۸۱ھ میں عظیم آباد آئے اور یہیں بود و باش اختیار کی ۔ کچھ دنوں نواب مرشد آباد کے صاحبزادے کے استاد بھی رہے ۔ ۱۳۱۷ھ میں حیات تھے ۔

پیچ میں لائیں گے مجکو یہ سراسر گیسو — اے پری دیکھ تو چہرے سے ہٹا کر گیسو
میں نے جو پکارا تو ظرافت اسے سوجھی — آواز بدل کر یہ کہا گھر میں نہیں ہیں
بوجہ ضعف عالم پیری سے خم نہیں — میں جھک گیا ہوں بوجھ اٹھا کر گناہ کا
توبہ بھی اب تو کرتے ہوئے شرم آتی ہے — کیا پوچھتے ہو حال ہمارے گناہ کا
ڈرتے ہیں سن کے آپ کی رحمت کا زور شور — بڑھ جائے حوصلہ نہ ہمارے گناہ کا

مائل - مولوی سید اصغر حسین رئیس عظیم آباد میر پھاٹک کے پوتے **تسلیم** کے شاگرد تھے ٭

مژہ پر روک رکھا ہی سرشک شور افزا کو
تماشا ہی کہ ہم نے بال سے باندھا دریا کو

مبارک سید شاہ مبارک حسین رئیس عظیم آباد تلمیذ حضرت **وحید** الہ آبادی ٭

کہتے تھے لوگ ہوا کا بھی گذر جس میں نہیں
عاشقوں کی اوسی کوچے میں تو کثرت نکلی

کھل گئیں دل پہ جو باتیں تری عیاری کی
میں محبت جسے سمجھا تھا عداوت نکلی

متین سید محمد باقر ابن میر زین العابدین باشندہ چھپرہ بیشتر مرثیہ کہتے تھے۔ مرزا **دبیر** کے شاگرد تھے ان کا کلام دستیاب ہوا

محزون - سید محمد حسین عرف محمد وصاحب۔ شب رحمٰن رئیس حاجی گنج۔ شاگرد **صفیر** بلگرامی ٭

کسی کے ماجرائے دل سے جب واقف نہیں کوئی
یہی حیرت ہی مرے حال پر کیوں لوگ ہنستے ہیں

محسن - سید علی محسن ابن سید محمد حسن **امیر** بلگرامی مقیم آرہ شاگرد **صفیر** بلگرامی ٭

جنت کو بھی ہی داغ ہمارے مزار سے
کس نے چڑھائے توڑ کے دو پھول ہار سے

محسن - محسن علی باشندہ مونگیر ولد ڈاکٹر احسان علی شاگرد مولوی عصمت اللہ **شائق** ان کا ایک مختصر دیوان چھپا تھا ٭

ہوتی جو محبت نہ کسی پردہ نشیں سے
چرچا مرا ہرگز سر بازار نہ ہوتا

دل کی دیتا ہی خبر آٹھ پہر فرقت میں
کام ہرکارہ کا کرتا ہی مرا ہر آنسو

محنتی - منشی ہری ہر ناتھ باشندہ عظیم آباد۔ شاگرد **عبرتی** ٭

ز آتش ہجر مرا سوز و گداز ست و لے
وعدۂ وصل تو ام تاب و توانم دادند

مخلص - سید اولاد علی ابن سید ابو علی بلگرامی۔ عظیم آباد میں اکثر آتے تھے ٭

ہوں وہ غم دوست کہ منت کش فریاد نہیں
ہوں وہ نالاں کہ خموشی کے سوا یاد نہیں

مخلص - منشی محمد حسین خاں ولد امانت خاں بن قطب خاں باشندہ بھاگلپور۔ مولوی عبد الغفور خاں **نساخ** کے شاگرد تھے ٭

شرح جوش شوق پایاں کو نہ پہونچا نامہ یہ
لکھتے لکھتے یار کو خط ایک دفتر ہو گیا

درد و غم فراق میں ہوتی ہی یہاں بسر
کٹتی ہی اون کی نغمہ و چنگ و رباب میں

جو ہی اس دنیا میں وہ مغرور پیراہن میں ہے
جس کو دیکھو قیصر و فغفور پیراہن میں ہی

مداح - حکیم نوازش حسین مقیم مظفر پور شاگرد **صفیر** بلگرامی ٭

جہاں میں آ کے نہ دل کچھ بھی کامیاب چلا
ضعیفی آئی لڑکپن گیا شباب چلا

مسلسل - شیخ وزیر علی خلف شیخ زاہد علی عرف رمضان علی ابن شیخ فاروق علی باشندہ مونگیر عدالت دیوانی میں وکیل تھے۔ اور مولوی عبد الغفور خاں **نساخ** کے شاگرد تھے ٭

لکھا ہے حضرت دل مرحوم کا جو حال — ہر لفظ میری بیت کا ماتم سرا ہوا

اللہ رے کوچہ گردیٔ جاناں کا حوصلہ — جب پاؤں تھک گئے تو پھرا سر تمام رات

مشتاق ۔ حکیم غلام علی ساکن عظیم آباد محلہ گورہٹہ ؎

جوہر دکھا رہے ہو جو تیغ نگاہ کا — منظور چشم قتل ہے کس بیگناہ کا

مشہور ۔ حکیم بھیجی پرشاد متوطن عظیم آباد ؎

اب دل میں بغض بیٹھ گیا ذکر اُٹھ گیا — اُلفت کا دوستی کا محبت کا چاہ کا

مطہر شاہ حفاظت حسین خلف مولوی بخشش حسین ساکن حاجی گنج پٹنہ تلمیذ **ضمیر** بلگرامی ؎

پھیلا ہوا جو اون کی نگاہوں کا جال ہے — اب طیر مرغ رنگ کو اُڑنا محال ہے

مفتون سید محمد رضا متوطن بلگرام مقیم آرہ ۔ فارسی میں **رضا** تخلص کرتے تھے ۔ دیوان اردو قصہ گنجینہ محبت" ان سے یادگار ہیں ۔ فارسی میں مرزا **قتیل** کے اور اردو میں **مصحفی** کے شاگرد تھے ؎

گر کرے زیب گلو وہ نوجواں سبزہ رنگ — فیض رنگ سبز سے تسبیح مرجاں سبز ہو

ناصح نہ سنیں گے لب نوشیں کی قسم ہے — شیریں سخنی تیری ہمارے لئے سم ہے

مکرم اکرام الدولہ اکرم الملک مکرم الشعرا مکرم علی خاں بہادر شیر جنگ ابن امیر ابن امیر معظم علی خاں بہادر **کاکتی** قوم پٹھان ۔ بہار شریف کی پہاڑی پر ابتک ان کے مکانات کے کچھ کھنڈر باقی ہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں آبائی جائدادیں ضبط ہو گئی تھیں ۔ انقلابات زمانہ سے وطن کو خیرباد کہکر لکھنؤ اور دہلی وغیرہ کی سیاحت میں مصروف رہے ۔ بالآخر مہاراجہ

نراندر سنگھ والی سرہند کے دربار میں کسقدر آرام سے زندگی بسر ہوئی ۔ **مکرم** نے یہ سب واقعات ایک قصیدے میں خود ہی نظم کئے ہیں ۔ آخر عمر میں اپنے وطن مالوف کو واپس آ گئے تھے ۔

ان کے کلیات فارسی میں قصائد حمد و نعت اور مناقب ائمہ کے علاوہ چند قصائد ابوظفر بہادر شاہ اور ولی عہد بہادر مرزا فخرو کی مدح میں بھی ہیں ۔ غزلیات کا مجموعہ چند ہزار ابیات کا ہے ۔ اس کے علاوہ رباعیات ہفت بند ۔ تخمیس وغیرہ اور فارسی کی دو مثنویاں ہیں ۔ کہیں کہیں مقطع میں اپنا تخلص **مکرم الشعرا** بھی لکھا ہے ۔ مثلاً ؎

باشد **مکرم الشعرا** خانہ زاد شاہ — در آرزوئے خویش از و مورد عطا

کلیات پر جو مہر لگی ہے اس میں ١٢٦٧ھ لکھا ہوا ہے ۔

فارسی کے کلیات سے اُردو کا کلیات چھوٹا ہے اور اس کے بہت سے اوراق جابجا سے غائب ہیں ۔ لیکن صرف یہی ایک نسخہ ہے جس کو مصنف نے اپنے لیے مرتب کیا تھا ۔ اور اب خانقاہ بہار شریف کے کتب خانہ میں موجود ہے اسکے ماسوا غالباً اور کہیں اس کی دوسری نقل نہ ہو گی ۔ یہ مرزا **غالب** کے ہم عصر تھے ۔ **غالب** کی اس مشہور غزل پر

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

پر انہوں نے مصرعے بھی لگائے ہیں ۔ اس مقام پر اُردو کے دیوان سے

چند شعر بطور نمونۂ کلام درج کئے جاتے ہیں ؎

دل تنگ مت ہو اُس کے دہن سے نکل گیا — تھا ایک شک مجھے وہ سخن سے نکل گیا

ہوا پیدا سپیدہ دم صبوحی سے — غضب ہی بند رہے آفتاب شیشے میں

رخ مسلماں ہے تو خال رخ جاناں ہندو — اس لئے بندے ہیں اس بت کے مسلمان ہندو

دل نے ہرگز نہ کیا فصل بہاری میں قبول — مے سے ہر چند مری طبع نے چاہی توبہ

کیوں نگاہ قہر سے اس مہر کے بے تاب ہے — بے قراری میں دل عاشق مگر سیماب ہے

دل تڑپتا اس طرح سینے میں ہے نے کے لئے — جیسے خشکی میں تڑپتی ماہی بے آب ہے

کر نجات آخرت کا شاہد وے کو سبب — مطمئن مت بیٹھ دنیا عالم اسباب ہے

ہے **مکرم** میکشوں کو میکدہ مثل حرم — طاق ابروئے مغاں ان کے لئے محراب ہے

مکنت اسمعیل علی خاں متوطن عظیم آباد شاگرد منشی امداد حسین **صفیر** فرخ آبادی ؎

ایک عمر میکدہ میں بسر ہو گئی مری — اب راستہ بھی یاد نہیں خانقاہ کا

سب ناز نرالے ہیں تمہیں کیا کہوں کیا ہو — آفت ہو چھلاوا ہو قیامت ہو بلا ہو

ممنون میر امانت علی باشندہ عظیم آباد شاگرد فرزند علی **موزوں** سے تحصیل علم کے لئے دہلی گئے تھے ؎

لے وائے کہ تیرے لئے اس خاک نشیں کو — یوں یاد لئے پھرتی ہے گھر گھر تپش دل

موج مولوی محمد شفیع ابن منور علی مختار متوطن عظیم آباد۔ شاگرد

شمشاد لکھنوی۔ غازی پور میں وکالت کرتے تھے ۱۳۰۲ھ میں حیات تھے ؎

مد باد سے لہراتے ہیں جیسے دریا — موج تعریف سے بڑھتی ہے طبیعت میری

مہر۔ شیخ محمد اسمعیل مختار خلف منشی محمد ابراہیم وکیل عدالت آرہ شاگرد **صفیر** بلگرامی۔ رسالہ فروغ مہر۔ جلال مہر۔ مجمع القوافی اور عروض مہر وغیرہ ان کی تصنیف سے ہیں ؎

چھوڑوں صنم کو اپنے میں کس اعتماد پر — دشمن کمر کو باندھے ہوئے ہیں فساد پر

نازش۔ محمد بشارت الحق خلف مولوی سید نور الحسن **دانش** شاگرد جناب **اکبر** داناپوری ۱۲۹۵ھ میں انتقال کیا ؎

نہ آیا چین مرنے پر بھی میرے مضطرب دل کو — ابھی تک زلزلہ ہوتا ہے ظاہر میری تربت سے

ناطق۔ شیخ احمد شاہ ولد شیخ محمد شاہ باشندہ سکندرپور نواح عظیم آباد۔ بہ سبب قرابت شیخ محمد شفیع وکیل صدر اکبرآباد میں ملازم تھے مرزا عنایت علی **ماہ** سے تلمذ تھا ؎

زلف کا مضموں کیا تحریر اپنے ہاتھ سے — ہم نے ڈالی پاؤں میں زنجیر اپنے ہاتھ سے

چومتے ہیں پہروں ہاتھوں کو مصوّر کے صنم — کھینچتے ہیں جب تری تصویر اپنے ہاتھ سے

حکیم محمد ہادی حسن خاں **نایاب**

خلف حاجی امیر حسن خاں مرحوم ابن دیوان مولا بخش صاحب سی، اس، آئی، رئیس اعظم رسول پور۔ اس دور کے خوش گو شعرا میں تھے۔ ابتدا میں مولوی

عبدالواحد **سیماب** تلمیذ میر وزیر علی **صبا** سے مشورہ سخن فرماتے تھے۔ پھر منشی مظفر علی خاں **اسیر** تلمیذ **مصحفی** کو اپنی غزلیں دکھائیں سنہ ۱۲۹۹ھ میں اسیر نے انتقال کیا۔ اون کے بعد منشی امیر احمد صاحب **امیر** مینائی مرحوم سے رجوع کیا تھا۔ ہنوز اون کے حلقہ تلامذہ میں داخل نہ ہوئے تھے کہ سنہ ۱۳۰۱ھ میں خود حضرت **نایاب** کا انتقال ہو گیا ان کے انتقال کے بعد ان کا دیوان برائے اصلاح حضرت **امیر** کے پاس بھیجدیا گیا۔ اور بعد اصلاح اوس کو مولوی اعجاز حسن خاں خلف اکبر حضرت **نایاب** نے طبع کرایا۔ **مصحفی** و **میر** کے رنگ میں فرماتے تھے۔ دیوان مطبوعہ آپکے خلف اصغر جناب ریاض حسن خاں صاحب **خیال** کا عطیہ فقیر کی نظر سے گذرا یہ اوس کا مختصر انتخاب ہے

نگاہوں سے نہاں رکھتا ہے عالم ناتوانی کا
بجا ہے گر کریں اب ہم بھی دعوی لن ترانی کا

کبک کہسار سے بلبل گلستاں سے چھوٹا
تیرا دروازہ نہ ہم سے مگر اے جاں چھوٹا

کیا بتاؤں تجھے احوال چمن او صیاد
پر بھی نکلے نہ تھے جسوقت گلستاں چھوٹا

ہو جو راحت کی طلب رنج اٹھاؤ پہلے
بادشاہی ملی یوسف کو جو زنداں چھوٹا

بنوا رہا ہے غافل کیا اپنا گھر زمیں پر
کل ہوگا تو زمیں میں ہے آج اگر زمیں پر

تیرا ہی نام ہر دم اے دوست رٹتے ہیں
حور و ملک فلک پر جن و بشر زمیں پر

تم تو پلنگ پر واں پھیلا کے پاؤں سوئے
تڑپا کیا یہ مضطر یاں رات بھر زمیں پر

دست طمع بڑھاؤں ایسا نہیں گدا میں
او آسماں ہیں ہم بھی بیٹھیں اگر زمیں پر

ہائے کچھ کر نہ سکے دنیا میں
بخشش روز جزا کے قابل

پائی انساں نے امانت کیسی
جو نہ تھی ارض و سما کے قابل

زیر زمیں تو رنج و الم کا گماں نہیں
سر پر وہاں زمیں ہے کچھ آسماں نہیں

ارباب جاہ کا پس مردن کہاں قلق
روتا ہے کون قیصر و فغفور کے لئے

نثار۔ نثار علی ولد چودھری عنایت احمد متوطن چوسا ضلع شاہ آباد شاگرد مولوی شاہ عبدالعلیم **آسی** غازی پوری کے

ہر وقت اون آنکھوں سے یہی خوف ہے مجکو
سویا ہوا فتنہ کہیں بیدار نہ ہو جائے

نجف۔ شیخ نجف علی متوطن عظیم آباد محلہ مغلپورہ۔ شاگرد نوروز علی خاں **یکتا** کے

شاہ و گدا طریق محبت میں ایک ہیں
یوسف سے جاکے پوچھے مزا کوئی چاہ کا

نذر۔ میر نجف علی نواب محمد فاضل خاں کی اولاد میں تھے۔ خاندانی معاش تباہ کر کے عدالت پٹنہ میں وکالت کرتے تھے شاعری میں حضرت **فریاد** سے تلمذ تھا نہایت خوش مزاج۔ بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھے۔ موسیقی میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے

کر قدر مری مجکو گلے اپنے لگا لے
ڈھونڈے نہیں ملتے ہیں صنم چاہنے والے

تم چلتے ہو اب روٹھ کے مجھ سے بہت اچھا
یہ تو کہو دل میرا کیا کس کے حوالے

ہوش و خرد و تاب و تواں صبر و تحمل
سب کھو کے تجھے چاہتے ہیں چاہنے والے

کیا سحر کیا **نذر** دل افگار پہ تم نے
دیوانہ سمجھتے ہیں اوسے دیکھنے والے

سارے گھر میں ہیں ہمیں ایک کمانے والے
اور سب بیٹھے ہیں مفت میں کھانے والے

نصر۔ شاہ علی حبیب خلف الرشید حضرت فرد الاولیا شاہ ابو الحسن **فرد**

سجادہ نشین پھلواری ۱۲۹۵ھ میں انتقال کیا۔ دیوان فارسی چھپ گیا ہے ؎

ای سرپناہ بے کساں فریادرس فریادرس
وے دستگیر عاجزاں فریادرس فریادرس

نکہت۔ سید حامد حسین عرف میرن صاحب متوطن عظیم آباد محلہ کشمیری کوٹھی۔ اس دیار کے بعض شعرا ان کے شاگرد تھے ؎

پامال ہو کے غیر کو تکلیف دی تو کیا
اب لاغری بنا نہ مجھے خار راہ کا

نور۔ مولوی محمد نور الحسین ساکن شہر گھاٹی ضلع گیا۔ شاگرد مولوی اولاد علی **کاہش** بہ عہدہ منصفی ملازم سرکار تھے۔ ۱۳۰۴ھ میں انتقال کیا ؎

جن دنوں میں مشتعل داغ دل بیتاب تھا
اک چراغ روز سا خورشید عالم تاب تھا

نہال سید شاہ نہال حسن۔ متوطن مولا نگر ضلع مونگیر ساکن عظیم آباد بخشی محلہ ۱۲۹۴ھ میں عالم شباب میں انتقال کیا۔ شاعری میں حکیم عبد الحمید صاحب **پریشاں** سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ حضرت **صفیر** بلگرامی سے بھی ربط و خلوص تھا۔ دیوان ان کا اونھیں کے مطبع میں چھپنے کو دیا گیا تھا۔ ہنوز شائع نہ ہوا تھا کہ خود ان کی کتاب حیات کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کے اکثر اشعار آج تک لوگوں کی زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں ؎

خال میں خط میں ہے یا ابروئے خمدار میں ہے
دل گم گشتہ ہمارا انہیں دو چار میں ہے

بھرے ہیں دل میں ارماں اون کی محفل میں نہ لیجاؤ
خدا جانے میں کیا کہنے کو جاہوں منہ سے کیا نکلے

نہال خستہ جاں کو دیکھ قدرت یاد آتی ہے
جو اول میں شرابی تھے وہ آخر پارسا نکلے

سر او مرقد سے جی اٹھنا بھی دیکھو
چلے جاتے ہو کیا ٹھوکر لگا کر

تم نہ کرنا یاد مجکو خلد میں
شربت دیدار حق اچھو نہ ہو

مانا اسے آہ عرش پر بھی گئی
یہ تو بتلا کہ تو اودھر بھی گئی

دیکھیں اب عذر کیا ہے آنے میں
خط بھی پہونچا مری خبر بھی گئی

کیا کہوں تجکو اے قضائے رقیب
نگہہ نازنین اودھر بھی گئی

آپ تلوار تو سلتے ہی رہے
نگہہ ناز کام کر بھی گئی

دیکھی شوخی ادا کی اون کی **نہال**
لے لیا دل کو پھر مکر بھی گئی

رباعی

کیوں گئے پھر چرخ پہ عیسیٰ خفقاں ہوتا ہے
آپ کیوں نیچے رہے کیا کیا گماں ہوتا ہے
کھل گئی فضل الٰہی سے حقیقت یہ **نہال**
وہی جھک جاتا ہے پلہ جو گراں ہوتا ہے

نیر۔ مولوی عبد الغفور۔ متوطن داناپور۔ مدرس مدرسہ عین الاسلام شاگرد شاہ محمد اکبر داناپوری ؎

بسمل تڑپ رہے ہیں کہیں کٹ رہے ہیں سر
ہے شور اوس گلی میں خدا کی پناہ کا

وزیر۔ وزیر علی خاں باشندہ عظیم آباد۔ شاگرد نواب جعفر حسن خاں **فیض** موسیقی میں اچھا دخل رکھتے تھے ؎

سو سو ادائے ناز ہیں ایک ایک گام پر
ہم خاک میں ملے تری طرز خرام پر

عاشق ہوئے ہیں ہم ترے اے جاں نئے نئے
صدمے دکھانہ دشمن ایماں نئے نئے

وصی شاہ وصی احمد پھلواری کے پیرزادوں میں تھے ؎

میرا خون گرچہ پامال ہوا　　آستانہ تو اون کا لال ہوا

ولاؔ۔ حسن نواب متوطن عظیم آباد ؎

انگشت بدنداں ہیں کھڑے لاش پہ میری　　پوچھے یہ کوئی اون سے کہ اب سوچتے کیا ہو

وصبیؔ۔ شاہ دیدار حسن عرف شاہ آغا جان صاحب خلف شاہ نبی بخش صاحب۔ متوطن عظیم آباد محلہ سملی شہدرہ۔ تقریباً ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ جناب شاہ غلام حسین صاحب سے بیعت و خلافت حاصل تھی اور اس سلسلہ میں اکثر ملک برما بھی جایا کرتے تھے۔ ۳ رجب ۱۳۲۰ھ کو بہ مقام رنگون انتقال کیا۔ بیشتر نعت فرماتے تھے۔ ایک دیوان **وصبی** مطبوعہ۔ موسوم بہ "چمنستان قدرت" ۱۳۰۹ھ اور ایک دیوان غیر مطبوعہ یادگار چھوڑا ہے ؎

خدا کی صنعت و قدرت کا گر یقیں ہو جائے　　تو راز کلمۂ توحید دل نشیں ہو جائے

دیدۂ دل میں عیاں صورت زیبا ہو وہی　　جس طرف دیکھتا ہوں محو تماشا ہو وہی

ہو کے سرشار مئے عشق سے میخانوں میں　　جام و ساغر ہو وہی ساقی و مینا ہو وہی

وصبیاؔ رحمت عالم کا لقب ہے جس کو　　میرا ہادی مرا حامی مرا مولیٰ ہو وہی

نور محمدی ہے نور خدا کی صورت　　صورت میں مصطفیٰ کی ہے کبریا کی صورت

ہاشمؔ۔ سید محمد ہاشم ابن سید مبارک حسن بلگرامی مقیم آرہ

قطعۂ تاریخ طبع از نتیجہ فکر جناب مولوی لطیف احمد صاحب مصنّف ایم موضع تھلی ڈاکخانہ بریا ضلع سارن

لطیف احمد جو زیر طبع فی الحال　　بہاری شاعروں کا تذکرہ ہے

زبان حال سے تاریخ اپنی　　یہ خود کہتا ہے اچھا تذکرہ ہے

۱۳۵۰ھ

قطعۂ تاریخ از نتیجہ فکر جناب ڈاکٹر عظیم الدین احمد صاحب (پی-اچ-ڈی) عظیم تخلص سینیر پروفیسر پٹنہ کالج ساکن محلہ خواجہ کلاں پٹنہ سٹی

تذکرہ نیست مژدہ ایست شدند　　زندہ در خاک خفتگان بہار

ہاتفم گفت بہر تاریخش　　گو۔ گل باغ بے خزان بہار

۱۳۱۹ھ

قطعۂ تاریخ از مولف حقیر سید عزیز الدین احمد بلخی المتخلص بہ رازؔ عظیم آبادی

تذکرہ ان دنوں جو طبع ہوا　　جس میں ہے ذکر شاعران وطن

کارنامے یہ دو صدی کے ہیں　　تین سو شاعروں کا ہے ارگن

جمع اگلوں کے ہیں کلام اس میں　　ساغر نو میں ہے شراب کہن

رازؔ تاریخ طبع بھی اس کی　　کہہ دیا ہے کلید شعر و سخن

۱۳۵۰ھ